تقیہ اسلام کی نگاہ میں

غلام مرتضی انصاری

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

تقیہ اسلام کی نگاہ میں

تألیف

غلام مرتضي انصاري

g m a n s a r i 6 1 @g m a i l .c o m

﴿ بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴾

﴿ مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّبِالْايمَانِ وَ لَاكِن مَّن شَرَحَ ﴾﴿ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ ﴾

﴿ مِّنَ اللّهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾۔ نحل/ ۱۰۶

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرے (اس کے لئے سخت عذاب ہے) بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے دل کھول کر کفر اختیار کیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله ربّ العالمین والصلوه والسّلام علی محمدٍ وآله الطاهرین المعصومین ولعته الله علی اعدائهم اجمعین الی قیام یوم الدین۔

مقدمہ

تقیہ ایک اسلامی اور قرآنی قانون اور حکم ہے جسے عقل بھی قبول کرتی ہے اور فطرت انسانی بھی ۔ اسی لئے ہر عاقل اور باشعور انسان اسے تسلیم کرتا ہے ۔ لیکن ایک متعصّب گروہ (وہابی) اہلبیت اطہار علیہم السلام کے ماننے والوں کی دشمنی میں تقیہ کا اصلی اسلامی چہرہ مسخ کرکے اسے منافقت ،بزدلی ، جھوٹ ، ۔۔۔ سے تشبیہ دے کر شیعیان حیدر کرار پر قسم قسم کی تہمتیں لگاتے ہیں ، جبکہ قرآن کی صریح آیتیں اس کی مشروعیت اور حقانیت پر دلالت کرتی ہیں ۔

اسی کے پیش نظریہ کتاب لکھی گئی ہے کہ ان اعتراض کرنے والوں کوقرآن ، حدیث ،اجماع اور عقلی دلائل کے ساتھ اطمینان بخش اور مستدل جواب دیا جائے اور ان کے عزائم کو برملا کیا جائے ۔اس امید کے ساتھ کہ حقیقت کے طلب گاروں کے ذہنوں میں ان عناصر کی ایجاد کردہ اشکالات اور ابہامات اورغلط فہمیوں کو دور کر سکے، جو اس مکتب کے ماننے والوں کے بارے میں پیدا کی گئی ہیں ۔

چنانچہ ان مباحث کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ تقیہ کا لغوی معنی اپنی جان بچانا ہے اور اصطلاحی تعریف ،دشمن کا ہم عقیدہ ہوکر باطن کے خلاف زبان پر کلمات ادا کرنا ہے ، اس شرط کے ساتھ کہ جو بات دل میں ہے وہ حق ہو۔یعنی دل میں ایمان اور زبان پرایمان کے خلاف کلمہ جاری ہو۔

تقیہ کے شرائط، آثار، اقسام اور اس کی مشروعیت کو قرآن، سنت، عقل اور فطرت کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے۔

تقیہ کی تاریخی حیثیت (قبل از اسلام اور بعد از اسلام) کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح تقیہ کے واجب ہونے، مباح ہونے، اور حرام ہونے کے موارد کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا گیا ھے کہ تقیہ صرف مکتب تشیع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے تمام اسلامی اور غیر اسلامی مکتب فکر والے بھی تقیہ کرنے کو ایک عاقلانہ فعل سمجھتے ہیں۔اگر کوئی اس کو عقل اور شریعت کے خلاف سمجھتا ہے تو خود اس کی عقل اور عقیدہ پر شک کرنا چاہیئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قرآن اور روایات میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے پاک نبیوںؑ کی سیرت میں بھی جگہ جگہ ملتا ہے تو پھر کیوں صرف شیعوں پر الزام تراشی کرتے ہیں؟

جواب بہت سادہ ہے، وہ یہ ہے کہ پوری تاریخ میں شیعیان حیدر کرار ہر زمانے میں حکومت اور خلافت کیلئے آنکھوں کا خار بنتے رھے، اور ہمیشہ ظالم و جابر حاکموں کے خلاف آواز بلند کرتے رھے۔جس کی وجہ سے ظالموں کے ظلم و بربریت کا شکار اور قتل ہوتے رھے، اور اپنی جان بچانے کیلئے تقیہ کے ذریعے اپنے عقائد اور اعمال کو چھپانے پر مجبور ہوتے رھے۔

چناچہ ہر انسان اپنی جان، مال، ناموس اور عزت کو بچانے کی خاطر بعض اوقات تقیہ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اور یہ اسباب ہر انسان کیلئے مختلف ہوتے ہیں۔اس کتاب کے دوسرے حصے میں وہابیوں کی طرف سے کئے ہوئے اشکالات کا جواب دیتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ تقیہ نہ بدعت ہے نہ جھوٹ اور بہتان ہے، نہ علم امامت کے منافی ہے، نہ سلونی سلونی قبل ان تفقدونی سے منافات رکھتا ہے، اور نہ حرام محمد ﷺ کے حلال کا باعث ہے نہ اس کے برعکس۔اور نہ جہاد کے منافی ہے اور نہ امر بہ معروف و نہی از منکر کے منافی ہے۔

ان مباحث کے ذیل میں خود وہابیوں سے کچھ سوال کئے گئے ہیں کہ کس طرح تقیہ کو دوسروں پر تہمت لگانے کا بہانہ بنادیتے ہو جبکہ قرآن مجید میں تقیہ کرنے والوں کی اللہ اور اس کے رسول نے مدح سرائی کی ہے؟!

اور یہ بھی یاد رہے کہ اس موضوع کو اس لئے انتخاب کیا ھے کہ مختلف ممالک جیسے پاکستان، افغانستان، ہندوستان، عربستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں سادہ لوح مسلمانوں کو شیعیت کے خلاف اکسانے اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں عداوت، نفرت، شکوک اور دشمنی پیدا کرنے کی جو ناپاک کوششیں کی جارہی ہے، اپنی توانائی اور صلاحیت کے مطابق ان کا سد باب کرسکے۔

اس امید کے ساتھ حقیقت کے طلب گاروں کیلئے مکتب قرآن اور اہلبیت علیہم السلام تک رسائی کا یہ ایک وسیلہ بنے ،قرآن کریم کی آیات، اہلبیت اطہار علیہم السلام کے فرامین اور اسلامی دانشوروں اور عالموں کے بیانات کو ایک کتاب کی شکل میں تألیف کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خداتعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ تمام عالم انسانیت کو راہ حق اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے اور جو ہدایت یافتہ ہیں ان کو ثابت قدم رکھے، اور امر بہ معروف ونہي از منکر کرنے والوں کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

آمین

وَالسَّلامُ عَلیٰ مَن اتَّبَعَ الهُدیٰ

غلام مرتضي انصاري

پہلی فصل

کلیات تقیہ

پہلی فصل: کلیاتِ تقیہ

تقیہ کی تعریف

تقیہ کی لغوی تعریف، تقوی اور اتقاء ہے جس سے مراد پرہیز کرنا، اپنے کو بچانا اور مراقبت کرنا ہے۔

اور اصطلاحی تعریف یہ ہے:

التقيةُ سترُ الاعتقادِ و مكاتمةُ المخالفينَ و تركُ مظاهرتهم بما يعقب ضرراً في الدينِ و الدنيا۔[1]

۱:۔ صفری، نعمت اللہ؛ نقش تقیہ در استنباط، ص۴۶۔

يعني تقیہ سے مراد اپنے اعتقادات کو دشمنوں سے چھپا رکھنا، تاکہ دینی ، دنیوی اور جانی نقصان سے محفوظ رہے ۔

اس تعریف میں دو مطلب نظر آتے ہیں: ایک یہ کہ اپنی باطنی اعتقادات کا چھپانا ، دوسرا معنوی اور مادی نقصان ہونے سے پہلے دفاع کرنا ۔ اوراگر اجتماعي اور انفرادي مفاد اور مصلحتوں میں ٹکراؤ هو جائے تو اجتماعی منفعتوں اور مصلحتوں کو ذاتی اور شخصی مفادات پر مقدم رکھنا ہے ۔

اہل بیت علیہم السلام کے ذریعے جو آثار ہم تک پہنچے ہیں ان میں تقیہ؛ حسنہ ، مؤمن کی ڈھال ، اضطرار ، افضل الاعمال ، میزان المعرفۃ، حفظ اللسان ،توریۃ، عبادۃ السریہ ، وقایۃالدین، سلامت، خیر الدنیا دوغیرہ کے نام سے پہچنوایا گیا ہے ۔ [1]

شیخ انصاري اور تقیہ کی تعریف

آپ « رسالہ في التقیہ» میں فرماتے ہیں :

المراد من التقية هنا التحفظ عن ضررالغير

---

۱ : ۔ محب الاسلام؛ شیعہ مي پرسد،ج ۲،ص ۲۸۱۔

بموافقته في قول او فعل مخالف للحق۔ [1]

تقیہ سے مراد اپنے آپ کو دشمنوں کے کہنے کے مطابق عمل کرتے ہوئے ان کے شرّ اور نقصان سے بچانا ہے ۔اگرچہ ظاہراً حق کے خلاف کرنا پڑے ۔ لیکن یہ تعریف جامع تعریف نہیں ہے کیونکہ تقیہ کی کئی اقسام جیسے مدارات والا تقیہ اس میں نہیں آسکتی ۔

شہید اول اور تقیہ کی تعریف

شہید اپنی کتاب (القواعد) میں فرماتے ہیں :

التقية مجاملة الناس بما يعرفون و ترك ما ينكرون حذرا من غوائلهم [2]

تقیہ سے مراد لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھنے کی خاطر جانتے ہوئے بھی کئی کاموں کو چھوڑ دینا ، تاکہ درد سر سے بچ جائے ۔

یہ تعریف زیادہ تر مداراتي تقیہ کی طرف اشارہ کرتی ہے ،جس میں پوری انسانیت خواہ مسلمان ہو یا کافر ، مخالف ہو یا موافق، سب شامل ہیں ، کہ انسانیت کے ناطے

۱:۔ شیخ اعظم انصاري؛ رسائل الفقهيه، ص ۷۱۔

۲: عاملي و مشقي؛ للقواعد و القوائد، ج۲، ص۱۵۵۔

ایک دوسرے پر رحم کرے اور احترام کي نگاہ سے دیکھے ۔اس سلسلے میں اگر تقیہ کرنے پر مجبور ھوجائے تو اس کے لئۓ ضروري ھے ،تقیہ کرے ۔

تقیہ کی جامع اور مانع تعریف

تقیہ کے مختلف موارد کے پیش نظر درج ذیل تعریف جامع اور مانع تعریف ہوگی :

التقية اخفاء حق عن الغيرا واظهار خلافه لمصلحة اقوي ـ [۱]

تقیہ،حق کو دوسروں کی نظروں سے چھپانے کیلئے مخالفت کا اظہار کرنا ، اس شرط کے ساتھ کہ چھپائی جانے والی مصلحت ، اظہار کرنے والی مصلحت سے زیادہ اہم ہو۔اس عبارت میں (اخفاء حق اور اظہار خلاف)یہ دو ایسی عبارت ہے جس میں چھپائے جانے والا تقیہ اور نہ چھپائے جانے والا تقیہ اور مدارات والا تقیہ سبھی شامل ہوجاتا ہے ۔لیکن کلمہ مصلحت جو تعریف کا ثقیل ترین اور لغوی اور اصطلاحی معانی کے درمیان ارتباط پیدا کرنے والا نکتہ ہے ۔ اور اس طرح مصلحت یعنی مفسدہ کا دفع کرنا اور منفعت کا جلب کرنا مراد ہے ۔جس کی تقسیم بندی کچھ یوں کی جاسکتی ہے :

۱:۔ صفری، نعمت اللہ ؛ نقش تقیہ در استنباط ، ص ۵۱۔

تقیہ یعنی مصلحت اندیشی

مصلحت کی دو قسمیں ہیں:

۱. نقصان سے بچنا" دفع ضرر"

۲. منفعت حاصل کرنا "جلب منفعت"

نقصان سے بچنا انفرادی ہے یا اجتماعی ۔

انفرادی نقصان خود تین طرح کے ہیں :

۱. جانی نقصان

۲. مالی نقصان

۳. شخصیت کو ٹھیس پہنچنا ۔

اجتماعی نقصان خود چار قسم کی ہیں :

۱. دین اسلام کو ضرر پہنچنا ،

۲. مذہب تشیع کو ضرر پہنچنا ،

۳. مسلمانوں کو ضرر پہنچنا،

۴. شیعوں کو ضرر پہنچنا ۔

جلب منفعت بھی دو قسم ہیں:

۱. انفرادی ہے جو تقیہ کا مصداق نہیں بن سکتا ،

۲. اجتماعی ہے جس کی خود تین صورتیں بنتی ہیں :

۱. مسلمانوں کے درمیان وحدت اور یکجہتی کی حفاظت کرنا۔

۲. دین اسلام کیلئے عزت اور آبرو کا باعث بننا۔

۳. مکتب تشیع کیلئے عزت اور آبرو کا سبب بننا۔ (۱)

تقیہ کے مزید نام:

روایات میں تقیہ کے مختلف نام آئے ہیں۔ جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

دین الله ، جُنّة، تُرس ، حُصن ، صون ، شعار ، ایمان ، عزة، قرة العین ،سنن الانبیاء ، سِرّ، حرز، خبأ ،حجاب ، مدار اة ، ضروره ، اضطرار ، افضل الاعمال ، میزان المعرفة، حفظ اللسان ،بادة، توریة، عبادة السریه، وقایةالدین، سلامة، خیرالدنیا و (۲)

۱: ۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۲:۔ عادل علوی ;التقیہ بین العلام، ص ۵۳۔

تقیہ کے اقسام

آیات اور روایات کی روشنی میں تقیہ کي اقسام:
مختلف اعتبار سے تقیہ کی کئی قسمیں ہیں :

۱ـ تقیہ خوفیه

۱ـ مکتب اسلام پر ضرر کے خوف کی وجہ سے [۱] ـ
۲ـ دوسروں پر ضرر کے خوف کی وجہ سے ـ
۳ـ یا اپنے نفس، مال اورآبرو پر ضرر کے خوف کی وجہ سے ـ

سبب کے اعتبار سے تقیہ کی دو اقسام ہیں:
خوفي اور مداراتي۔
اور خود تقیہ خوفي یا حفظی کی تین اقسام ہیں :

۱: التقیه في رحاب العلمین(شیخ انصاري و امام خمیني)،ص۱۳۔

الف: تقیہ جان، مال، عزت، آبرو اور ان سے متعلقہ چیزوں کی وجہ سے کیا جائے ۔

ب: تقیہ اپنے مؤمن بھائیوں کی خاطر ہو کہ ان پر کوئی ضرر یا نقصان نہ آنے پائے ۔

ج: تقیہ دین مقدس اسلام پر کوئی ضرر یا آنچ آنے کے ڈر سے کیا جائے ۔ کیونکہ ممکن ہے خود مسلمانوں کے درمیان اختلافات پائے جائیں لیکن اسلام کے اوپر کوئی بات نہ آئے ۔

جو اختلاف اور نزاع پایا جاتا ہے، وہ تقیہ خوفی میں ہے ۔ ورنہ تقیہ مداراتی کہ لوگوں کے ساتھ نیک رفتاری اور خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے؛ جسے ایک قسم کی ہوشیاری اور چالاکی تصور کیا جاتا ہے ۔

تقیہ کو تقیہ کنندہ کے اعتبار سے بھی کئی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسے: تقیہ کنندہ: یا وہ ایک عام انسان ہے یا مذہبی رہنماؤں میں سے ہے ۔ جیسے پیغمبر ﷺ اور رآئمہ طاہرین علیہم السلام فقہاء اور مسئولین۔

تقیہ کو تقیہ پر مجبور کرنے والے کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں: کافر ہے یا مسلمان ۔

تقیہ پر عمل کرنے کے اعتبار سے بھی کئی قسمیں ھیں ۔ جیسے: یا وہ فعل، حرام ہے اور چھوڑ دینا واجب ہے، یا اس فعل کا شرط یا جزا میں تقیہ کرنا ہے ۔

تقیہ احکام کے اعتبار سے یا واجب ہے یا حرام، یا مستحب یا مباح یا مکروہ، یا وجوب نفسي ہے یا وجوب غیري۔[1]

تقیہ خوفیہ اعمال اور عبادات کا اہل سنت کے علماء اور فقہاء کے فتاوٰی کے مطابق عمل کرنا، تاکہ اپني اور اپنے ہم مسلک افراد کی جان محفوظ رکھ سکے۔

تقیہ خوفیہ کے موارد کو خود عاقل اور باہوش انسان تشخیص دے سکتے ہیں۔جب ایک اہم اور مہم کام کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو اہم کو مہم پر مقدم کرنا چاہئیے۔اور تقیہ خوفیہ کی اسناد درج ذیل ہیں:

۱ تقیہ خوفیہ کی پہلی دلیل:

سید مرتضي علم الهدي نے اپنے رسالہ (محکم اور متشابہ) میں تفسیر نعماني سے نقل کیا ہے: علي علیہ السلام نے فرمایا: خدا تعالي نے مؤمن کو کافروں کے ساتھ دوستي اور وابستگی سے منع کیا ہے لیکن تقیہ کے مواقع پر کفر ظاہر کرنے کی اجازت دی

۱: اندیشہ هاي کلامي شیخ طوسي، ج ۱، ص ۲۷۷۔

گئی ہے پھر اس آیہ شریفہ کی تلاوت کی :

﴿ لاَّ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاء مِن دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّهِ فِي شَيْءٍ إِلاَّ أَن تَتَّقُواْ مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّهِ الْمَصِيرُ ﴾۔[1]

"خبردار صاحبانِ ایمان مؤمنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے"

کہتے ہیں کہ یہ مؤمنین کیلئے رخصت دینا، خدا کی رحمت اور تفضل ہے کہ تقیہ کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے ۔[2]

۲ تقیہ خوفیہ کی دوسری دلیل:

طبرسي نےامیرالمؤنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا : میں طبیب یونانی سے گفتگو کرنے اور کچھ اسرار ولایت دکھانے کے بعد

۱: سورہ آلعمران/۲۸۔

۲: وسائل الشیعہ،باب امر بالمعروف،باب ۲۹۔

وظیفہ شرعی کے بیان کرنے کے ضمن میں تمہیں دستور دونگا کہ تم اپنے دین میں تقیہ پر عمل کرو ۔ جیسا کہ خداوند تعالی نے فرمایا: : لایتخذ المؤمنون۔۔۔تمہیں اجازت دونگا کہ جب بھی تمہیں کوئی مجبور کرے اور تمہیں خوف پیدا ہوجائے تو تم اپنے دشمنوں کی تعریف کرو اور ہم سے دشمنی کا اظہار کرو۔ اگر واجب نمازوں کے پڑھنے سے جان کا خطرہ ہو تو ، ترک کردو ۔اس طرح کچھ دستور دینے کے بعد فرمایا: حالانکہ تمہارے دل میں ہماری محبت پائی جاتی ہے اور ہماری پیروی کرتے ہو ۔ مختصر وقت کیلئے ہم سے برائت کا اظہار کرکے اپنی جان ، مال ناموس اور دوستوں کو طولانی مدت کیلئے بچا لو؛ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ تم پرآسانی کے دروازے کھول دے ۔ اور یہ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے اور اپنے دوستوں کی خدمات اور دینی امور میں ان کی اصلاح کرنے میں کوتاہی سے بچے ۔ (۱)

۱: علی تہرانی؛ تقیہ در اسلام، ص ۵۰۔

۲۔تقیہ اکراھیہ

مجبور شخص کا جابر اور ظالم شخص کے دستور کے مطابق عمل کرنا تاکہ اپنی جان بچائی جا سکے اور مال دولت اور عزت کو برباد ہونے سے محفوظ رکھا جا سکے۔

اس کے مصداق حضرت عمار بن یاسر ہیں۔جن کے بارے میں قرآن فرمارھا ہے:

﴿ مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾۔ [۱]

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرے (اس کے لئے سخت عذاب ہے) بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے دل کھول کر کفر اختیار کیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

اس آیۃ شریفہ کی شان نزول میں مفسرین کا کہنا ہے: جب پیغمبر اسلام

۱: نحل ۱۰۶۔

لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے بتوں کو اعلانیہ طور پر باطل قرار دیتے تھے تو کفار قریش اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے ۔ اور جب کوئی اسلام قبول کرتا تھا اس پر ظلم وتشدد کیا کرتے تھے ۔چنانچہ بلال، عمار، یاسر و سمیہ () جیسے پاک دل اور ایمان سے سرشار افراد کو مختلف مواقع پر جان لیوا اذیت اور آزار پہنچا تے تھے اور ان کو دوبارہ کفر کی طرف بلاتے تھے ۔چنانچہ عمار اور ان کے ماں باپ کو پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی اور نازیبا الفاظ زبان پر لانے پر مجبور کیا گیا؛ تو جناب یاسر اور ان کی زوجہ ، یعنی حضرت عمار کے والدین نے یہ گوارا نہیں کیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کی جائے ۔ اسی جرم میں وہ دونوں اپنے بیٹے کے سامنے شہید کئے گئے ، لیکن عمار کی جب باری آئی تو اپنی جان بچانے کی خاطر کفار قریش کے ارادے کے مطابق پیغمبر کی شان میں گستاخی کی ۔ جس پر کفار نے انہیں آزاد کیا ۔جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت پہنچی کہ عمار نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے ۔ تو فرمایا : ایسا ممکن نہیں کہ عمار نے دوبارہ کفر اختیار کیا ہو بلکہ وہ سر سے لیکر پاؤں تک ایمان سے لبریز اور اس کے گوشت و خون اور سراسر وجود میں ایمان کا نور رواں دواں ہے ۔اتنے میں عمار روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے ،آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے

سے آنسو صاف کئے اور فرمایا: جو کام تو نے انجام دیا ہے، قابل مذمت اور جرم نہیں ہے اگر دوبارہ کبھی ایسا موقع آجائے اور مشرکوں کے ہاتھوں گرفتار ہوجاؤ تو کوئی بات نہیں کہ تم ان کی مرضی کے مطابق انجام دو ۔پھریہ آیہ شریفہ نازل ہوئی ۔

جس سے معلوم ہوتا کہ دینی مقدسات کی شان میں گستاخی کرنے پر مجبور ہوجائیں تو کوئی بات نہیں ۔ آپ کو اختیار ہے کہ یا آپ تقیہ کرکے اپنی جان بچائیں یا جرأت دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کریں ۔

ایک روایت منقول ہے کہ دو مسلمانوں کو مسیلمہ کے پاس لایا گیا جو نبوت کا دعوی' کررہا تھا ۔ مسیلمہ نے ایک سے پوچھا: محمد ﷺ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں ۔

مسیلمہ: میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟

مسلمان: آپ بھی اسی طرح ہیں ۔

پھردوسرے شخص کو لایا گیا، اور اس سے بھی یہی سوال پوچھا گیا، لیکن اس نے کچھ بھی

نہیں کہا ۔تو اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ۔

یہ خبر رسول خدا تک پہنچی ، فرمایا: پہلے شخص نے تقیہ پر عمل کیا اور دوسرے شخص نے حق کو آشکار اور بلند و بالا کیا ۔اور پہلے کے حق میں دعا کی اور دوسرے کے لئے فرمایا :اس کیلئے شہادت مبارک ہو ۔[1]

یوسف بن عمران روایت کرتا ہے کہ میثم تمار سے سنا ہے: امیر المؤمنین علیہ السلام نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا : اے میثم جب عبید اللہ ابن زیاد تمھیں میرے بارے میں گستاخی کرنے اور مجھ سے برائت کرنے کا حکم دے گا تو تم کیا کرو گے؟

میں نے کہا :یا امیر المؤمنین علیہ السلام خدا کی قسم! کبھی اظہار برائت نہیں کروں گا ۔

فرمایا: پھر تو تم مارے جاؤ گے ۔

میں نے کہا : میں صبر کروں گا ؛ کیونکہ راہ خدا میں جان دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے ۔

فرمایا: اے میثم! تم اس عمل کی وجہ سے قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگے ۔

۱: تقیہ در اسلام ، ص۱۰ ۔

پس یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اگر کسی نے تقیہ کے موارد میں تقیہ نہیں کیا تو اس نے خودکشی کرلی ھو ، بلکہ ایسے موارد میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ شہادت کو اختیار کرے یا تقیہ کرکے اپنی جان بچائے تاکہ آئندہ آئمہ طاھرین علیہم السلام اور اسلام کي زیادہ خدمت کرسکے ۔

۳۔تقیہ کتمانیہ

ضعف اور ناتوانی کے مواقع پر اپنا مذہب اور مذہب والوں کی حفاظت کرنا اور ان کی طاقت اور پاور کو محفوظ کرنا تاکہ بلند و بالا اہداف حاصل کرسکے ۔

اوریہاں تقیہ کتمانیہ سے مراد ہے دین مقدس اسلام اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی نشر واشاعت کی خاطر اپنی فعالیتوں کو مخفی اورپوشیدہ رکھنا ، تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ قدرت مند ہو ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ہمارے دینی اور مذہبی رہنما حضرات اس طرح تقیہ

کرنے کا حکم دیتے ہیں ؟

اس کا جواب یہی ہے کہ کیونکہ مکتب تشیع ایک ایسا مکتب ہے کہ حقیقي اسلام کو صرف اور صرف ان میں ملاحظہ کرسکتے ہیں ۔شیعہ ابتدا ہی سے مظلوم واقع ہوئے ہیں کہ جب آئمہ طاہرین علیہم السلام تقیہ کرنے کا حکم دے رہے تھے اس وقت شیعہ انتہائی اقلیت میں تھے اور ظالم وجابر اور سفاک بادشاہوں اور سلاطین کی زد میں تھے ۔اگر شیعہ اپنے آداب و رسوم کو آشکار کرتے تو ہر قسم کی مشکلات ان کے سروں پر آجاتیں اور جان بھی چلی جاتی ۔اور کوئی شیعہ باقی نہ رہتا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ حقیقی اسلام باقی نہ رہتا ۔یہی وجہ تھی کہ آئمہ اطہار علیہم السلام نے تقیہ کا حکم دیا ۔

تقیہ کتمانیہ پر دلیل :

۱: كِتَابُ سُلَيْمِ بْنِ قَيْسٍ الْهِلَالِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيّاً ع يَقُولُ يَوْمَ قُتِلَ عُثْمَانُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ص قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ التَّقِيَّةَ مِنْ دِينِ اللهِ وَ لَا دِينَ لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ وَ اللهِ لَوْ لَا التَّقِيَّةُ مَا عُبِدَ اللهُ فِي الْأَرْضِ فِي دَوْلَةِ إِبْلِيسَ فَقَالَ رَجُلٌ وَ مَا دَوْلَةُ إِبْلِيسَ فَقَالَ إِذَا وُلِّيَ إِمَامُ هُدًى فَهِيَ فِي دَوْلَةِ الْحَقِّ عَلَى إِبْلِيسَ وَ إِذَا وُلِّيَ إِمَامُ ضَلَالَةٍ فَهِيَ

دَوْلَةُ إِبْلِيسَ ۔ [1]

راوی کہتا ہے: ہم نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے قتل عثمان کے دن فرماتے ہوئے سنا: ہم نے رسول خدا سے تاکید کے ساتھ فرماتے ہوئے سنا: تقیہ میرا دین ہے اور جو بھی تقیہ کا قائل نہیں ، اس کا کوئی دین نہیں ۔ اور اگر تقیہ کے قوانین پر عمل نہ ہوتا تو شیطان کی سلطنت میں روئے زمین پر خدا کی کوئی عبادت نہ ہوتی ۔ اس وقت کسی نے سوال کیا ، ابلیس کی سلطنت سے کیا مراد ہے ؟

فرمایا : اگر کوئی خدا کا ولی یا عادل امام لوگوں پر حکومت کرے تو وہ خدائی حکومت ہے ، اور اگر کوئی گمراہ اور فاسق شخص حکومت کرے تو وہ شیطان کی حکومت ہے ۔

اس روایت سے جو مطلب ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس طاغوتی حکومت کے دوران صرف اپنے مذہب کو مخفی رکھنا اور خاموش رہنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بھی خدا تعالی کی عبادت و بندگی ہوتی رہے۔

اصحاب کہف کا عمل بھی اسی طرح کا تقیہ تھا ، اور حضرت ابوطالب کا تقیہ

۱: مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص۲۵۲ باب وجوب التقیۃ مع الخوف ۔

بھی اسی قسم کا تقیہ شمار ہوتا ہے ۔جیسے ابتدائے اسلام میں انہوں نے اختیار کیا تھا ۔کہ اپنے دین کو کفار قریش سے مخفی رکھا ۔ اور خود کو کفار کا ہم مسلک ظاہر کرتے رہے تاکہ رسول گرامي اسلام کی حمایت اور حفاظت آسانی سے کر سکیں ۔اور مخفی طور پر دین مبین اسلام کی نشر و اشاعت کرتے رہے ۔چنانچہ آپ ہی کی روش اور تکنیک کی وجہ سے پیغمبر اسلامسے بہت سارے خطرات دور ہوتے رہے ۔

۴۔تقیہ مداراتي یا تحبیبي

اهل سنت کے ساتھ حسن معاشرت اور صلح آمیز زندگي کرنے کی خاطر ان کی عبادي اور اجتماعي محفلوں اور مجلسوں میں جانا تاکہ وحدت پیدا ہو اور اسلام دشمن عناصر کے مقابلے میں اسلام اور مسلمین قدرت مند ہوں ۔

تقیہ مداراتي

۱۔ مطلوبیت ذاتي رکھتا ہے = وجوب نفسي

۲۔ مطلوبیت غیري رکھتا ہے = وجوب غیري

تقیہ مداراتي کے شرعی جواز پر دلیلیں:

o امام سجاد نے صحیفہ سجادیہ میں مسلمانوں کیلئے دعائے خیر اور کفار کیلئے بددعا کرتے ہوئے فرمایا: خدایا اسلام اور مسلمین کو دشمن اورآفات و بلیات سے محفوظ فرما، اور ان کے اموال کو باثمر و منفعت اورپر برکت فرما۔ اور انہیں دشمن کے مقابلے میں زیادہ قدرت مند اور شان وشوکت اور نعمت عطا فرما ۔اور میدان جنگ میں انہیں کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما ۔ اور اپنی عبادت اوربندگی کرنے کی مہلت اور فرصت عطا فرما تاکہ وہ تجھ سےتوبہ اور استغفار اور راز و نیاز کر سکیں خدایا ! مسلمانوں کو ہر طرف سے مشرکوں کے مقابلے میں عزت اور قدرت عطا فرما اور مشرکوں اور کافروں کوآپس میں جنگوں میں مشغول فرما !تاکہ وہ مسلمانوں کے حدود اور دیار کی طرف دست درازی نہ کر سکیں ۔ [۱]

۱: مستدرک الوسائل، ج ۱۲، باب وجوب التقیۃ مع الخوف ، ص ۱۰۰۔

o معاویہ بن وهب کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا: کہ دوسرے مسلمانوں اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کی امانتوں کو پلٹاؤ اور جب آپس میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے اور حاکم شرع کے پاس پہنچ جائے تو حق دار کے حق میں گواہی دو اور ان کے بیماروں کی عیادت کیلئے جاؤ اور ان کے مرنے والوں کی تشییع جنازے میں شرکت کرو۔ (۱)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

كونوا لمن انقطعتم إليه زيناً ولا تكونوا علينا شيناً صلّوا في عشائرهم عودوا مرضاهم و اشهدوا جنائزهم ولا يسبقونكم الي شيءٍ من الخير فا نتم أولي به منهم والله ما عبدالله بشيءٍ أحبُّ اليه من الخباء قلت: و ما الخباء؟ قال: التقيه۔ (۲)

ایسے کاموں کے مرتکب ہونے سے پرہیز کرو جو ہمارے مخالفین کے سامنے سرزنش کا باعث بنے، کیوں کہ لوگ باپ کو اس کے بیٹوں کے برے اعمال کی وجہ سے ملامت کرتے

۱: وسائل الشیعہ، ج ۱، کتاب حج، احکام عشرت۔

۲: وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۷۱۔

ہیں ۔کوشش کرو کہ ہمارے لئے باعث زینت بنو نہ کہ باعث ذلت۔ اہل سنت کے مراکز میں نماز پڑھا کرو اور بیماروں کی عیادت کیا کرو اور ان کے مردوں کے جنازے میں شرکت کیا کرو اور تمام اچھے کاموں میں ان پر سبقت لے جاؤ، ان صورتوں میں اگر ضرورت پڑي تو محبت بڑھانے اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کیلئے اپنے عقائد کو چھپاؤ۔ خدا کی قسم ایسے مواقع میں کتمان کرنا بہترین عبادت ہے۔ راوی نے سوال کیا: یابن رسول اللہ! کتمان سے کیا مراد ہے؟! تو فرمایا: تقیہ۔

یہ تقیہ مداراتی اور تحبیبی کے جواز پر کچھ دلائل تھے۔ لیکن ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سارے مسلمان عقیدتی، فکری اور سلیقائی اختلافات مکمل طور پر ختم کرکے صرف ایک ہی عقیدہ اور سلیقہ کے پابند ہوجائیں ؟!

اس سوال کا جواب بالکل منفی میں ملے گا۔ یہ ناممکن ہے ۔کیونکہ کوئی بھی قوم یا قبیلہ نہیں ملے گا جس میں سینکڑوں اختلافات اور نظریات نہ پائے جاتے ہوں۔ حتی خود دین اسلام میں کہ سارے اصول اور فروع دین توحید کی بنیاد پر قائم ہیں، پھر بھی زمانے کے

گزرنے کے ساتھ ساتھ اصلی راستے اور قاعدے سے منحرف ہوجاتے ہیں اور اختلافات کا شکار ہوجاتے ہیں ۔ پس ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟! اور راہ حل کیا ہے ؟! ایک طرف سے بغیر وحدت اور اتحاد کے کوئی کام معاشرے کے حوالے سے نہیں کرپاتے، دوسری طرف سے اس وحدت اور اتحاد کے حصول کیلئے سارے اختلافی عوامل کو پس پشت ڈالنا پڑتا ہے ۔

کیا ایسی صورت میں ہم بیٹھے رہیں اور اختلافات کے کیڑے مکوڑے معاشرے کے سعادت مند ستون کو اندر سے خالی کرتے کرتے سرنگوں کریں؟!یا کوئی راہ حل موجود ہے جس کے ذریعے سے ایک حد تک وحدت برقرار کرلیں ؟!

یہ وہ مقام ہے جہاں دور حاضر کے مفکرین اور دانشمندوں نے کئي فارمولے تیار کئے ہیں جن کے ذریعے ممکن ہے کہ یہ ہدف حاصل ہوجائے ، اور وہ فامولے درج ذیل ہیں:

۱ ۔ ہر معاشرے میں موجود تمام ادارے قوم پرستی، رنگ و زبان اور موقعیت ، مذہب میں فرق کئے بغیر اجتماعی حقوق کو بعنوان "حقوق بشر" رسمی مان لیں اور خود غرضی سے پرہیز کریں ۔

۲۔ تمام ممالک کو چاہیئے کہ معاشرے میں موجود تمام گروہوں کو اس طرح تعلیم دیں کہ اتحاد و اتفاق کی حفاظت کی خاطر اجتماعی منافع کو شخصی منافع پر مقدم رکھیں ۔ اور انہیں یہ سمجھائیں کہ اجتماع کی بقا میں افراد کی بقا ہے ۔

۳۔ ہر ایک شخص کو تعلیم دیں کہ دوسروں کے عقائد کا احترام کریں تاکہ معاشرے کیلئے کوئی مشکل ایجاد نہ ہو ۔ اور ملک اور معاشرے کے بنیادی اصولوں اور قواعد و ضوابط کو ضرر نہ پہنچائیں ۔ اور ایک دوسرے کے احساسات اور عواطف کا احترام کریں ۔

۴۔ ان کو سمجھائیں کہ دوسرے مکاتب فکر کے مختلف اور معقول آداب و رسوم میں شرکت کریں ۔ اس طرح ایک دوسرے کے درمیان محبت پیدا کریں۔

پس اگر ایک جامعہ یا معاشرے میں ان قوانین اور اصولوں پر عمل درآمد ہوجائے تو سارے اسلامی ممالک ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونگے اور ایک دوسرے کے درمیان محبت اور جذبہ ایثار پیدا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ آئمہ طاھرین علیہم السلام اپنے گوہر بار کلمات میں اس بات کی طرف تشویق کرتے ہوئے نظر آتے ھیں۔

مداراتی تقیہ کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحادپیدا کرنے کیلئے مسجد الحرام اور مسجد النبی ﷺ میں دوسروں کے ساتھ بغیر سجدہ گاہ کے قالین پر سجدہ کر سکتے ہیں، یہ نماز صحیح ہے اگرچہ جانی یا مالی نقصان کا خدشہ بھی نہیں ہے۔ (۱)

تقیہ اور توریہ میں موازنہ

لغت میں توریہ؛وراء یا پیٹھ سے نکلا ہے جس کا مد مقابل امام یعنی (آگے) سے لیا گیا ہے۔اور اصطلاح میں کسی چیز کو چھپانے کو کہا جاتا ہے۔

- تقیہ اور توریہ کے درمیان نسبت تباین پایاجاتا ہے۔کیونکہ توریہ لغت میں ستر(چھپانا) اورتقیہ صیانت اور حفاظت کو کہا جاتا ہے۔
- توریہ میں شخص واقعیت کا ارادہ کرتا ہے لیکن تقیہ میں نہیں۔

۱: مکارم شیرازی؛ شیعہ پاسخ می گوید،ص۴۵۔

- توریہ میں مصلحت کو ملحوظ نظر نہیں رکھا جاتا لیکن تقیہ میں کئی مصلحتوں کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے ۔
- لیکن مصداق کے لحاظ سے ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے ۔ کہ ان دونوں کا مورد اجتماع یہ ہے کہ تقیہ کرنے والا تقیہ کے موارد میں اوراظہار کے موقع پر حق کے برخلاف ، توریہ سے استفادہ کرتا ہے کیونکہ خلاف کا اظہار کرنا ؛ حق کا ارادہ کرنے یا خلاف حق کا ارادہ کرنے سے ممکن ہے۔
- تقیہ اورتوریہ میں افتراق کا ایک مورد، تقیہ کتماني ہے کہ یہاں کوئی چیز بیان نہیں ہوئی ہے جو توریہ کا باعث بنے ۔
- ان دونوں میں افتراق کا ایک اور مورد یہ ہے کہ توریہ میں کوئی مصلحت لحاظ نہیں ہوئی ہے اور اگر کوئی مصلحت ملحوظ ہوئی ہے تو بھی ذاتی منافع ہے ۔

تقیہ، اکراہ اور اضطرار کے درمیان تقابل

تقیہ کے بعض موارد کو اکراہ و اضطرار کے موارد میں منحصر سمجھا جاتا ہے۔ شیخ انصاري(رہ) مکاسب میں اکراہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں :

ثم ان حقيقة الاكراه لغة و عرفا حمل الغير علي ما يكرهه في وقوع الفعل من ذالك الحمل اقترانه بوعيد منه مظنون الترتب الغير علي ترك ذالك الفعل مضر بحال الفاعل او متعلقه نفسا او عرضا او مالاـ [۱]

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اکراہ کے وجود میں آنے کی تین شرائط ہیں:

۱. یہ مخالف کی طرف سے واقع ہوتا ہے ۔ پس جہاں اگر خود انسان جلب منفعت یا دفع ضرر کیلئے کوئی قدم اٹھائے تو وہ توریہ میں شامل نہیں ہے ۔

۲. اکراہ یہ ہے کہ مستقیما کسی کام پر انسان کو مجبور کیا جائے نہ بطور غیر مستقیم۔

۳. تہدید اور وعید کے ساتھ ہو کہ اگر انجام نہ دے تو اس کی جان ، مال، عزت آبرو خطرے میں پڑ جائے ۔

ان تین شرائط اور اولین آیہ شریفہ جو مشروعیت تقیہ کے بارے میں نازل ہوئی جس میں عمار ابن یاسرؓ کا قصہ بیان ہوا ہے ، سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض موارد میں تقیہ اور اکراہ میں مطابقت پائی جاتی ہے ۔ اور ان تین شرائط کے ذریعے حضرت عمارؓ کے تقیہ کرنے پر استدلال کیا جا سکتا ہے ۔ اور تقیہ کی تعریف بھی اس پر منطبق ہو سکتی ہے ۔ لیکن جہاں یہ تین شرائط صدق آئیں اور تقیہ صدق نہ کرے تو وہ اکراہ اور تقیہ کے افتراق کے موارد ہونگے ۔

۱: شیخ انصاري(ره) ، المکاسب، شروط متعاقدین، ص۱۱۹۔

تقیہ کے آثارا ور فوائد

شہیدوں کے خون کی حفاظت

تقیہ کا بہترین فائدہ شہیدوں کے خون کی حفاظت ہے ۔یعنی پوری تاریخ میں شیعیان علی ؑ مظلوم واقع ہوتے رہے ہیں۔ جب بھی ظالموں کے مظالم کا نشانہ بنتے تھے تقیہ کرکے اپنی جان بچاتے تھے۔

چنانچہ امام صادق ؑ فرماتے ھیں: اے ہمارے شیعو! تم، لوگوں کے درمیان ایسے ہو جیسے پرندوں کے درمیان شہد کی مکھی ہے ۔ اگرپرندوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد موجود ہے، تو ساری شہد کي مکھیوں کو کھاجائیں اور ایک بھی زندہ نہیں چھوڑیں؛ اسي طرح اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ تمہارے دلوں میں ہم اہل بیت ؑ کی محبت موجود ہے تو تمھیں زخم زبان کے ذریعے کھا جائیں گے اورہر وقت تمہاری غیبت اور بدگمانی میں مصروف رہیں گے ۔ خدا ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے جو ہماری ولایت کو

مانتے ہیں۔ [1]

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور تقویت

یہ تقیہ کا دوسرا فائدہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام ، اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور تقویت کیلئے زیادہ کوشش کرتے تھے ، تاکہ اسلامی معاشرہ ایک واحد اور قدرت مند معاشرہ بنے ، اور اسلام دشمن عناصر کبھی بھی اس معاشرے پر آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کرسکیں ۔

اس عظیم مقصد کے حصول کی خاطر آئمہ طاهرین علیہم السلام اپنے چاہنے والوں کو سخت تاکید فرماتے تھے ۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ع وَ عِنْدَهُ نَفَرٌ مِنَ الشِّيعَةِ فَسَمِعْتُهُ وَ هُوَ يَقُولُ مَعَاشِرَ الشِّيعَةِ كُونُوا لَنَا زَيْناً وَ لَا تَكُونُوا عَلَيْنَا شَيْناً قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً احْفَظُوا أَلْسِنَتَكُمْ وَ كُفُّوهَا عَنِ الْفُضُولِ وَ

۱: علامه كليني؛ اصول كافي،ج۲،ص۲۱۸۔

قَبِيحِ الْقَوْلِ۔ [1]

چنانچہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں : اے ہمارے شیعو! خبردار! کوئی ایسا کام انجام نہ دو ، جوہماری مذمت کا سبب بنے ۔ لوگوں کے ساتھ اچھی گفتگو کیا کرو ، اپنی زبانوں کی حفاظت کرواور فضول اور نازیبا باتیں کرنے سے باز آؤ ۔

عَنْ هِشَامٍ الْكِنْدِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ ع يَقُولُ إِيَّاكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا عَمَلًا نُعَيَّرُ بِهِ فَإِنَّ وَلَدَ السَّوْءِ يُعَيَّرُ وَالِدُهُ بِعَمَلِهِ كُونُوا لِمَنِ انْقَطَعْتُمْ إِلَيْهِ زَيْناً وَ لَا تَكُونُوا عَلَيْهِ شَيْناً صَلُّوا فِي عَشَائِرِهِمْ وَ عُودُوا مَرْضَاهُمْ وَ اشْهَدُوا جَنَائِزَهُمْ وَ لَا يَسْبِقُونَكُمْ إِلَى شَيْءٍ مِنَ الْخَيْرِ فَأَنْتُمْ أَوْلَى بِهِ مِنْهُمْ وَ اللهِ مَا عُبِدَ اللهُ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْخَبْءِ قُلْتُ وَ مَا الْخَبْءُ قَالَ التَّقِيَّةُ۔ [2]

راوی کہتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: خبردار! تم لوگ کوئی ایسا کام کر نہ بیٹھو جس کی وجہ سے ہمیں ذلت اٹھانی پڑے کیونکہ جب بھی کوئی اولاد برا کام کرتی ہے تو لوگ اس کے والدین کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔جب کسی سے دوستی کرنے لگو اور

۱:۔ أمالي الصدوق، ص ۴۰۰، جلسہ ۶۲۔

۲: وسائل الشيعة، باب وجوب عشرة العامة بالتقية، ج ۱۶، ص ۲۱۹ ۔

اس کی خاطر دوسروں سے دوری اختیار کرو تو اس کیلئے زینت کا باعث بنو نہ کہ مذمت اور بدنامی کا ۔ برادران اہل سنت کی نماز جماعت میں شرکت کرو، ان کے مرنے والوں کے جنازے میں شریک ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ تم سے کار خیر میں آگے ہوں، کیوں کہ اچھے کاموں میں تم لوگ ان سے زیادہ سزاوار ہو ۔ خدا کی قسم! خبأ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے ۔ کسی نے سوال کیا: اے فرزند رسول ﷺ خبأ سے کیا مراد ہے ؟! تو امام ؑ نے جواب دیا: اس سے مراد تقیہ ہے ۔

عَنْ أَبِي أُسَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَ الْوَرَعِ وَ الِاجْتِهَادِ وَ صِدْقِ الْحَدِيثِ وَ أَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَ حُسْنِ الْخُلُقِ وَ حُسْنِ الْجِوَارِ وَ كُونُوا دُعَاةً إِلَى أَنْفُسِكُمْ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ وَ كُونُوا زَيْناً وَ لَا تَكُونُوا شَيْناً وَ عَلَيْكُمْ بِطُولِ الرُّكُوعِ وَ السُّجُودِ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَطَالَ الرُّكُوعَ وَ السُّجُودَ هَتَفَ إِبْلِيسُ مِنْ خَلْفِهِ وَ قَالَ يَا وَيْلَهُ أَطَاعَ وَ عَصَيْتُ وَ سَجَدَ وَ أَبَيْتُ ۔ (۱)

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے: تم پر لازم

۱:۔ کافي، باب الورع، ج۲، ص ۷۶۔

ہے کہ تقویٰ اورپرہیزگاری اختیار کرو ،کوشش کرو کہ سچ بات کہو، امانت میں دیانت داری دکھاؤ ، اچھے اخلاق کے مالک بنو، اور اچھے پڑوسی بنو، اور لوگوں کو زبانی نہیں بلکہ اپنے کردار کے ذریعے اچھائی کی طرف بلاؤ ۔ اور ہمارے لئے باعث افتخار بنو نہ کہ باعث ذلت اور رسوائی ۔ اور تم پر لازم ہے کہ طولانی رکوع اور سجدے کیا کرو ؛ جب تم میں سے کوئی رکوع اور سجود کو طول دیتا ہے تو اس وقت شیطان اس کے پیچھے سے چیخ وپکار کرنے لگتا ھے ، اور کہتا ھے : واویلا ! اس نے خدا کی اطاعت اور بندگی کی، لیکن میں نے نافرمانی کی ، اس نے خدا کیلئے سجدہ کیا اور میں نے انکار کیا ۔

اگر ان دستورات کو آپ ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ آئمہ طاہرین کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان الفت و محبت پیدا ہو اور سب مسلمان صلح و صفائی کے ساتھ زندگی بسر کریں ۔

تقیہ کے شرائط

تقیہ ہر صورت اور ہر موقع اور ہر جگہ پر صحیح نہیں ہے بلکہ خاص شرائط اور زمان و

مکان میں جائز اور مطلوب ہے ۔جہاں باطل اور ناجائز کاموں کا اظہار کرنا جائز ہو ؛ صرف وھاں تقیہ کرسکتا ھے۔ اسی لئے تقیہ کے شرائط اور اسباب کچھ اس طرح تنظیم ہوئےہیں کہ اس کام کا باطل اور قبیح ہونا باقی نہ رہے۔ شیخ الطائفہ(طوسي) اپنے استاد سیدمرتضي سے فعل قبیح کے مرتکب ہونے کے لئے تین شرائط نقل کرتے ہیں:

۱. اپنی جان کیلئے خطرہ ہو ، یعنی اگر اس قبیح فعل کو انجام نہ دے تو جان سے ماردینے کا خطرہ ہو ۔
۲. اس باطل فعل کے انجام دینے کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہو ۔
۳. قبیح فعل کے انجام دینے پر مجبورکیا جارھا ہو ۔

اگر یہ تین شرطیں موجود ہو تو اس کام کی قباحت بھی دور ہوجاتی ہے ۔ [۱]

۱: یزدي ،دکتر محمود؛ اندیشہ هاي کلامي شیخ طوسي ۔

دوسری فصل

تقیہ تاریخ کے آئینے میں

دوسری فصل: تقیہ تاریخ کے آئینے میں

الف: ظہور اسلام سے پہلے تقیہ

تقیہ کا مفہوم بہت وسیع ہے اس لئے اسے زندگی کے صرف ایک حصّے سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا ۔بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ تاریخی اعتبار سے تقیہ کی ضرورت انسان کو اس وقت محسوس ہوتی ہے ،جب وہ اپنے آپ کو دشمن کے سامنے عاجز محسوس کرے ۔ اور یہ عاجزی انسان میں گاہ بہ گاہ خوف کا احساس پیدا کرنے لگتی ہے ۔ اور یہ ایک طبیعی چیز ہے کہ انسان اس خوف وہراس کو اپنے سے دور کرنے کی فکر کرے ۔ اور اس طبیعی امر میں تمام عالم بشریت حتی تمام ذی روح "حیوانات" بھی شریک ہیں۔

خواہ یہ خوف و ہراس بھوک اور پیاس کی شکل میں ہو یا گرمی ، سردی اور بیماری کی شکل میں ہو ؛ انسان اس خوف سے بچنے کیلئے کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر لیتا ہے ۔ لیکن ان حالات میں جنگ و جدال کی کوئی ضرورت نہیں ۔ ہاں غیر طبیعی خطرات اور مشکلات کے موقع پر جیسے اپنے کسی مسلمان بھائی پر ظلم و ستم کو روکنے کا سبب ہو تو تقیہ کرنا بہتر ہے ۔

اس فصل میں ہم بہت ہي اختصار کے ساتھ انبیاء اور اولیاء الہي نے جہاں جہاں تقیہ کئے ہیں ؛ ان موارد کو بیان کریں گے :

حضرت آدم علیہ السلام اور تقیہ

سب سے پہلی جو سزا اپنے بھائی کے حسد اور دشمنی کی بنا پر قتل کرنے کی وجہ سے ملی وہ حضرت آدم کے زمانے میں انہی کے بیٹے کو ملی۔ قرآن اس واقعے کو کچھ یوں بیان فرما رہا ہے:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَاْ بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاء الظَّالِمِينَ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾[1]

اور آپ انہیں آدم کے بیٹوں کا حقیقی قصہ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی تو اس نے کہا: میں تجھے

۱: سورہ مائدہ ۲۷-۳۰۔

ضرور قتل کروں گا، (پہلے نے) کہا: اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، میں تو عالمین کے پروردگار اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ میں تم ہی پکڑے جاؤ اور دوزخی بن کر رہ جاؤ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔چنانچہ اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کی ترغیب دی اور اسے قتل کرہی دیا، پس وہ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہوگیا۔

تاریخ بتاتي ہے چونکہ ھابیل حضرت آدم علیہ السلام کے وصی اور جانشین تھے، ان کی شہادت کے بعد خلافت اور جانشینی ان کے بھائی شیث کی طرف منتقل ہوئی۔ اور سب سے پہلے جس نے تقیہ کیا وہ حضرت شیث علیہ السلام تھے، جنہوں نے قابیل سے تقیہ کیا کہ انہیں خدا تعالی نے علم عطا کیا تھا۔ اگر وہ تقیہ نہ کرتے تو روئے زمین عالم دین سے خالی ہوجاتا۔
اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم کے خلاف مقاومت اور مقابلہ کرنے سے عاجز اور ناتوان ھونے کی صورت میں تقیہ کرنا جائزہوتا ہے ۔
اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ حضرت ہابیل نے جو چیز انہیں خدا کی طرف سے

عطا ہوئی تھی ، اپنے بھائی قابیل سے چھپائی ۔ اور یہ ان کا چھپانا صرف اس لئے تھا کہ حق کو نا اہل لوگوں کے ہاتھ لگنے سے بچایا جائے ۔

اور یہ ایک ایسی سنت ہے جس پر سارے انبیآء ، اولیآء اور صالحین نے عمل کیا ہے ۔

طبري نے اپنی تاریخ میں روایت نقل کي ہے کہ : حضرت آدم علیہ السلام اپنی وفات سے گیارہ دن پہلے مریض ہوئے اور اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو اپنا جانشین بنانے کے بعد فرمایا : میرا یہ وصیت نامہ قابیل سے چھپائے رکھنا ۔[1]

حضرت ابراهیمؑ اور تقیہ

ابراهیم خلیل اللہ نے بت پرستوں اور مشرکوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا ؛ یہاں تک کہ ان کی قوم انہیں آگ میں جلانے کے لئے تیار ہوگئ ۔ قرآن اس واقعے

۱: التقیہ في فقہ اهل البیت علیہ السلام ، ج ۱ ، ص ۱۵ ۔

کویوں بیان فرما رہا ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِه عَالِمِينَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مّبِينٍ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَى ذَلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ وَتَاللهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ قَالُوا مَن فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيم قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُو نَ قَالُوا أَأَنتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ فَرَجَعُوا إِلَى أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنتُمُ الظَّالِمُونَ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَى رُؤُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنطِقُونَ ﴾ ۔[۱]

۱:۔ انبیاء/۵۱-۶۵۔

اور بہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے عقل کامل عطا کی تھی اور ہم اس کے حال سے باخبر تھے، جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے گرد تم جمے رہتے ہو؟

کہنے لگے: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یقینا تم خود اور تمہارے باپ دادا بھی واضح گمراہی میں مبتلا ہیں۔

وہ کہنے لگے: کیا آپ ہمارے پاس حق لے کر آئے ہیں یا بیہودہ گوئی کر رہے ہیں؟

ابراہیم علیہ السلام نے کہا: بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس بات کے گواہوں میں سے ہوں۔ اور اللہ کی قسم! جب تم یہاں سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے ان بتوں کی خبر لینے کی تدبیر ضرور سوچوں گا۔ چنانچہ ابراہیم نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا سوائے ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

وہ کہنے لگے: جس نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے یقینا وہ ظالموں میں سے ہے۔

کچھ نے کہا: ہم نے ایک جوان کو ان بتوں کا (برے الفاظ میں) ذکر کرتے ہوئے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں۔ کہنے لگے: اسے سب کے سامنے پیش کرو تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔

کہا :اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کا یہ حال تم نے کیا ہے ؟

ابراہیم ؑ نے کہا: بلکہ ان کے اس بڑے (بت)نے ایسا کیا ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔

(یہ سن کر) وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور کہنے لگے : حقیقتاً تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے اور (ابراہیم) سے کہا: تم جانتے ہو یہ نہیں بولتے ۔

بخاري روایت کرتا ہے : حضرت ابراہیم ؑ نے تین جھوٹ بولے: اس میں سے دو خدا کی ذات کے بارے میں «قوله اني سقيم» اور« بل فعله كبير هم» تیسرا جھوٹ اپنی بیوی سارہ کے بارے میں ، جو خوبصورت تھی ، اور فرعون کو کسی نے ان کی لالچ دی تھی ۔ فرعون نے حضرت ابراہیم ؑ کو اپنے دربار میں بلاکر کہا : یہ جو تمہارے ساتھ آئی ہے وہ کون ہے ؟

تو آپ نے جواب دیا : یہ میری بہن ہے ۔ اور ادھر سارا سے بھی کہہ رکھا تھا کہ تم بھی میری بات کی تائید کرنا ،جبکہ خود ان کی بیوی تھیں ۔حضرت ابراہیم ؑ کا تقیہ

کرنے کا سبب یہی تھا کہ اپنی جان بچائی جائے ،کیونکہ فرعون ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ ان کی زوجہ کو اپنے عقد میں لے لے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور تقیہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بہت طولاني اور معروف ہے، اس لئے خلاصہ کلام بیان کروں گا وہ یوں ہے فرمایا :

﴿ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴾۔[1]

اس کے بعد جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرادیا تو پیالہ کو اپنے بھائی کے سامان میں رکھوادیا اس کے بعد منادی نے آواز دی کہ قافلے والو تم سب چور ہو۔

اسی سے استدلال کرتے ہوئے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا :

التقیه من دین الله قلت:من دین الله؟ قال :اي والله من دین الله لقد قال یوسف : ایتها العیر انکم

۱: سورہ یوسف/۷۰۔

لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شی۔[1]

تقیہ دین خدا میں سے ہے، میں نے سوال کیا: کیا دین خدا میں سے ہے؟تو فرمایا: ہاں خدا کی قسم؛ دین خدا میں سے ہے بے شک یوسف پیغمبر نے فرمایا: اے قافلہ والو! بیشک تم لوگ چور ہو؛ حالانکہ خدا کی قسم انہوں نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔

دوسری جگہ اس روایت کی تفصیل کچھ یوں بتائی گئی ہے:

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع فِي قَوْلِ يُوسُفَ ع- أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسارِقُونَ فَقَالَ وَ اللَّهِ مَا سَرَقُوا وَ مَا كَذَبَ۔[2]

وَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ ع- بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هذا فَسْئَلُوهُمْ إِنْ كانُوا يَنْطِقُونَ فَقَالَ وَ اللَّهِ مَا فَعَلُوا وَ مَا كَذَبَ قَالَ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ ع مَا عِنْدَكُمْ فِيهَا يَا صَيْقَلُ قَالَ فَقُلْتُ مَا عِنْدَنَا فِيهَا إِلَّا التَّسْلِيمُ قَالَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَحَبَّ اثْنَيْنِ وَ أَبْغَضَ اثْنَيْنِ أَحَبَّ الْخَطَرَ فِيمَا بَيْنَ الصَّفَّيْنِ وَ أَحَبَّ الْكَذِبَ فِي الْإِصْلَاحِ وَ أَبْغَضَ الْخَطَرَ فِي الطُّرُقَاتِ وَ أَبْغَضَ الْكَذِبَ فِي غَيْرِ الْإِصْلَاحِ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ ع إِنَّمَا قَالَ- بَلْ فَعَلَهُ

۱: تاریخ الامم والملوک، ج۱، ص۱۷۱۔

۲: الكافي (ط - الإسلامية)؛ ج۲؛ ص۳۴۲۔

كَبِيرُهُمْ هذا إِرَادَةَ الْإِصْلَاحِ وَ دَلَالَةً عَلَى أَنَّهُمْ لَا يَفْعَلُونَ وَ قَالَ يُوسُفُ ع إِرَادَةَ الْإِصْلَاحِ.[۱]

حسن صیقل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: "ہمیں حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت بیان کی گئی ہے جب یوسف علیہ السلام کی طرف سے کہا گیا کہ "اے قافلہ والو! تم لوگ ضرور چور ہو" (یوسف/۷۰) اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟" کیونکہ امام محمد باقرعلیہ السلام نے فرمایا: "بخدا! نہ تو انہوں نے پیمانہ چرایا تھا اور نہ ہی یوسف علیہ السلام نے جھوٹ بولا تھا" اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے بارے میں فرمایا: "بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے، اگر وہ بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو اس بارے میں بھی امام علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کی قسم! نہ تو بتوں نے یہ کام کیا تھا اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا تھا" اس پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "صیقل! اس بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟" صیقل نے کہا: "ہمارے پاس تو سرِ تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کچھ

۱:. کلینی، محمدبن یعقوب، الکافي (ط - الإسلامیة)، ج۲، ص: ۳۴۲- تہران، چاپ: چہارم، ۱۴۰۷ ق.

نہیں ہے امام علیہ السلام نے فرمایا: "ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا اس سے ان کی مراد اصلاح کرنا تھی اور اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ بت کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور اگر یوسف علیہ السلام نے ایسا کہا تھا تو بھی اس سے ان کی مراد اصلاح کرنے کی تھی اور یہ بتانا تھا کہ برادران نے یوسف علیہ السلام کو چرایا تھا۔

پس معلوم ہوا اگرچہ فرمان امام سے واضح ہوا کہ حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم علیہم السلام ن جھوٹ نہیں بولا ہے، اور اگر جھوٹ بھی مان لئے جائیں لوگوں کی اصلاح کی خاطر کہا تھا، اور اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنا خدا کے نزدیک فساد پھیلانے والے سچ سے افضل ہے، اور جائز ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام اور تقیہ

قرآن کریم نے حضرت موسی علیہ السلام کی شجاعت کے بارے میں کئی دفعہ اشارہ کیا ہے کہ کس طرح فرعون کے ساتھ روبرو ہوئے، حضرت موسی علیہ السلام کو بہت سے پیغمبروں پر فضیلت حاصل ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم

مَّن كَلَّمَ اللّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ﴾۔ (۱)

یہ سب رسول وہ ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور بعض کے درجات بلند کئے ہیں ۔

حضرت موسی علیہ السلام نے ان تمام شجاعتوں اور فضیلتوں کے باوجود اپنی زندگی میں کئی موقعوں پر لوگوں کو رسالت کی تبلیغ کے دوران تقیہ کیا ہے ۔ اور یہ تقیہ اپنی جان کے خوف سے نہیں بلکہ باطل کا حق پر غلبہ پانے کے خوف سے کیا ہے ۔جب خدا نے موسي اور هارون علیہ السلام کو حکم دیا :

﴿ اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى ﴾ ۔ (۲)

"تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے ۔ اس سے نرمی سے بات کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا خوف زدہ ہوجائے "۔

۱: سورہ بقرہ۲۵۳۔

۲: سورہ طہ۴۳،۴۴۔

اورفرعون کے ساتھ نرم اور میٹھی زبان میں بات کرنا اور اعلان جنگ نہ کرنا ، جبکہ وہ طغیان اور نافرمانی کے عروج پر تھا ؛ ایک قسم کا تقیہ ہے ۔ البتہ یہ تقیہ مداراتی تھا نہ خوفی لیکن اصحاب موسی علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید اشارہ کرتا ہے :

﴿ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴾ ۔ (۱)

"فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہلِ زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا کہ ایک گروہ نے دوسرے کو بالکل کمزور بنادیا وہ لڑکوں کو ذبح کردیا کرتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا ۔ وہ یقینا مفسدین میں سے تھا"

یہ خوف لوگوں کا تھا نہ اپنی جان کا ۔ لیکن ولادت حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہہ رہا ہے کہ جنہوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی دعوت قبول کرلی تھی ، اپنے ایمان کو دلوں میں چھپائے ہوئے تھے ، جب تک موسی علیہ السلام نے علیٰ الاعلان دعوت کرنا شروع کیا ۔

۱: ۔ سورہ قصص ۴ ۔

تاریخ میں آپ کے بعض اصحاب اور مؤمنوں کی تاریخ کو قرآن نے ثبت کیا ہے ؛ جو درج ذیل ہیں :

مؤمن آل فرعون اور تقیہ

قرآن فرما رہا ہے :

﴿ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾۔ [۱]

" اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا ، یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کررہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور

۱: غافر۲۸۔

اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہو سکتی ہیں - بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا ہے"

ابن کثیر لکھتا ہے : یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور اس نے اپنا ایمان اپنی قوم سے چھپا رکھا تھا - جن کے نام میں مورخین نے اختلاف کیا ہے ؛ کسی نے کہا آپ کا نام شمعان تھا ، کسی نے کہا حزقیل تھا -بہر حال جب فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنے حواریوں سے مشاورت کرنے لگا ، تو مؤمن اس ناپاک سازش سے آگاہ ہوا اور سخت فکر مند ہوا ، اور فرعون کو یوں مشورہ دیا :

﴿ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَ تَقْتُلُونَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبىّ اللهُ ﴾ ؟!

"اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے "

: ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى ﴾۔ [1]

" فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی باتیں بتارہا ہوں جو میں خود سمجھ رہا ہوں "

ثعلبي نے لکھا ہے اس شخص کا نام حزقیل ہے اور یہ اصحاب فرعون میں سے تھا اور وہی ترکھان تھا جس نے حضرت موسی علیہ السلام کی ماں کیلئے وہی صندوق بنا کر دیا تھا جس میں ڈال کر موسیٰ کو دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تھا ۔

قَالَ الصادق علیہ السلام :إِنَّ مَثَلَ أَبِي طَالِبٍ مَثَلُ أَصْحَابِ الْكَهْفِ أَسَرُّوا الْإِيمَانَ وَ أَظْهَرُوا الشِّرْكَ فَآتَاهُمُ اللهُ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ ۔ [2]

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: " بے شک ابوطالب کی مثال اصحاب کہف کی مثال ہے ، انہوں نے اپنا ایمان چھپائے رکھا اور شرک کا اظہار کیا ، خدا تعالیٰ انہیں قیامت کے دن دو دفعہ ثواب عطا کریگا "

۱: غافر۲۹ ۔

۲: الکافي باب مولد النبي ص و وفاته،ج ۱، ص۴۴۸۔

امام حسن العسکری علیہ السلام نے فرمایا: ان ابا طالب کمؤمن آل فرعون یکتم ایمانه۔[1] فرماتے ہیں: حضرت ابوطالب نے بھی مؤمن آل فرعون کی طرح اپنا ایمان کفار قریش سے چھپا رکھا تھا۔

آسیہ بنت مزاحم اور تقیہ

آپ فرعون کی بیوی ہیں قرآن نے آپ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ وَ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴾۔[2]

"اور خدا نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال بیان کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ پروردگار! میرے لئے جنّت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلادے اور اس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کردے"

۱: وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۸۳۔

۲: سورہ تحریم ۱۱۔

روایات اہلبیت میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت آسیہ بہشت میں نبی کی بیویوں میں سے ہونگی۔ (۱)

اصحاب کہف او رتقیہ

قطب راوندي نے شیخ صدوق سے امام صادق علیہ السلام کي روایت نقل کي ہے :

فقَالَ لَوْ كَلَّفَكُمْ قَوْمُكُمْ مَا كَلَّفَهُمْ قَوْمُهُمْ فَافْعَلُوا فِعْلَهُمْ فَقِيلَ لَهُ وَ مَا كَلَّفَهُمْ قَوْمُهُمْ قَالَ كَلَّفُوهُمُ الشِّرْكَ بِاللهِ فَأَظْهَرُوهُ لَهُمْ وَ أَسَرُّوا الْإِيمَانَ حَتَّى جَاءَهُمُ الْفَرَجُ وَ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ كَذَبُوا فَآجَرَهُمُ اللهُ إِلَى أَنْ قَالَ وَ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ أَسَرُّوا الْإِيمَانَ وَ أَظْهَرُوا الْكُفْرَ فَكَانُوا عَلَى إِظْهَارِهِمُ الْكُفْرَ أَعْظَمَ أَجْراً مِنْهُمْ عَلَى إِسْرَارِهِمُ الْإِيمَانَ وَ قَالَ مَا بَلَغَتْ تَقِيَّةُ أَحَدٍ تَقِيَّةَ أَصْحَابِ الْكَهْفِ فَأَعْطَاهُمُ اللهُ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ ۔ (۲)

"اگر تمھاري قوم کفر کا اظہار کرنے پر مجبور کرے تو اظہار کرنا اور اپنا ایمان آرام آنے تک

۱: ۔ تفسیر نور الثقلین ۔ ج ۵ ، ص ۲۷۷۔

۲: مستدرک الوسائل ،ج ۱۲ ،ص ۲۷۲۔

چھپا رکھنا۔ پھر فرمایا اصحاب کہف نے بھي ظاھراً جھوٹ بولا اور اللہ تعالي نے بھي ان کو جزائے خیر دي اور کہا اصحاب کہف نے اپنے ایمان کو چھپایا اور کفر کا اظہار کیا۔پس کفر کا اظہار کرنے کا ثواب ایمان کے چھپانے سے زیادہ ھے ۔ اور فرمایا: اصحاب کہف سے زیادہ کسي اور نے تقیہ نہیں کیا ۔۔۔اللہ تعالي نے بھي ان کو دو مرتبہ اجر اور ثواب عطا کیا"

امیر المؤمنین علیہ السلام سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے:

وَ عَلَيْكُمْ بِالتَّمَسُّكِ بِحَبْلِ اللهِ وَ عُرْوَتِهِ وَ كُونُوا مِنْ حِزْبِ اللهِ وَ رَسُولِهِ وَ الْزَمُوا عَهْدَ اللهِ وَ مِيثَاقَهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيباً وَ سَيَعُودُ غَرِيباً وَ كُونُوا فِي أَهْلِ مِلَّتِكُمْ كَأَصْحَابِ الْكَهْفِ وَ إِيَّاكُمْ أَنْ تُفْشُوا أَمْرَكُمْ إِلَى أَهْلٍ أَوْ وَلَدٍ أَوْ حَمِيمٍ أَوْ قَرِيبٍ فَإِنَّهُ دِينُ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ الَّذِي أَوْجَبَ لَهُ التَّقِيَّةَ لِأَوْلِيَائِهِ ۔[1]

امامؑ نے فرمایا: تم پر ضروری ہے کہ اللہ کی رسی اور عروۃ الوثقی سے متمسک رہیں ۔ اللہ

۱: مستدرک، باب وجوب التقیۃ مع الخوف إلی خر۔

اور اس کے رسول کی سپاہیوں میں سے ہوجائیں۔ اللہ تعالی کے ساتھ جو بھی عہد وپیمان باندھ لئے ہیں، ان پرپورا اترا کریں۔ بیشک اسلام ابتداء میں بھی غریب تھا اور آنے والے زمانے میں بھی غریب ہوگا۔ تم لوگ اپنی قوم کے درمیان اصحاب کہف کی طرح زندگی گزار اکریں۔ خبردار اپنی راز کی باتیں اپنی بیویاں، اولاد اور اپنے دوستوں کو نہ بتائیں۔ بیشک تمہارے لئے یہی دین خدا ہے جس نے اپنے اولیاء کے لئے تقیہ کو مجاز قرار دیا ہے۔

امام حسن العسكري ﷺ کی روایت اس بات کی تائید کرتی ہے۔

وَ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ ع قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص: إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ إِنَّمَا فَضَّلَهُمُ اللَّهُ عَلَى خَلْقِهِ أَجْمَعِينَ بِشِدَّةِ مُدَارَاتِهِمْ لِأَعْدَاءِ دِينِ اللَّهِ وَ حُسْنِ تَقِيَّتِهِمْ لِأَجْلِ إِخْوَانِهِمْ فِي اللَّهِ ۔ [1]

"رسول خدا ﷺ نے فرمایا: بیشک انبیائے الٰہی کو دوسرے لوگوں پر اس لئے فضیلت

١: مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل / ج١٢ / ٢٦٢ / ٢٧ باب وجوب الاعتناء و الاهتمام بالتقية و قضاء حقوق الإخوان ,ص: ٢٦١

ملی ہے کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ مدارات کیا کرتے تھے اور نیک لوگوں کے ساتھ خدا کی خاطر اچھا تقیہ کیا کرتے تھے "

یہ اسلام سے پہلے کے تقیہ کے کچھ موارد تھے جو آیات اور شیعہ سنی احادیث کی کتابوں میں مرقوم تھے ۔ اور یہ ایسے حقائق ہیں جن سے انکار ممکن نہیں ہے ۔

ب: ظہور اسلام کے بعد تقیہ

اسلام چونکہ ابتدا سے غریب تھا اور غریب ہی رہ گیا ۔ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اس زمانے میں لوگ انحرافات اور گمراہی کے اسیر ہوچکے تھے ، رسول خدا ﷺ نے آکر انہیں نجات دلادی ۔ جس پر قرآن گواہی دے رہا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنهْمْ يَتْلُواْ عَلَيهْمْ ءَايَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الحْكْمَةَ وَ

إِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾۔[1]

"اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو ان ہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے, ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں بتلا تھے "

یہ تعلیمات اسلامی کی خصوصیت تھی کہ انسان کو اس گمراہی سے نکال کر انسانیت کے بلند و بالا مقام تک پہنچایا۔ اور عقلوں پر لگے ہوئے تالے کھول دیے ۔ اور سارے انسانوں کو ایک ہی صف میں لاکر رکھ دیا ۔

اور انسان کی فضیلت کیلئے تقوی کو معیار قرار دیتے ہوئے فرمایا : ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَئكُمْ ﴾۔[2]

بے شک خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت ترین شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو ۔

۱: سورہ جمعہ ۲۔

۲: سورہ حجرات ۱۳۔

اسی طرح ظالم وجابر بادشاہ جو فقیروں اور ضعیفوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہوئے زندگی گزارتے تھے، جب اس پیغام کو سنا تو وہ لوگ خاموش نہیں رہ سکے؛ بلکہ اسلام کو اس صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوگئے۔جس کی وجہ سے اسلام مظلوم اور غریب ہوا۔

ابو طالبؑ اور تقیہ

بعض نفسیاتي خواهشات کے اسیر اور ریاست طلب ،دین فروش اور درہم و دینار کے لالچی لوگوں نے ظالموں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے اپنی کتابوں میں ابوطالب کے ایمان کو مشکوک ظاہر کرنا چاہا۔ نعوذباللہ ! آپ شرک کی حالت میں اس دنیا سے چلے گئے؛ جبکہ آپ کی شخصیت ، عظمت اور اسلام کے ساتھ محبت اور ایمان پر واضح دلائل موجودہیں ۔ابوطالب علیہ السلام کی ذات وہ ہے جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا شرف حاصل ہے؛کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار قریش اوردوسرے دشمنوں کے مکروفریب اور ظلم وستم سے بچاتے رہے، جبکہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے درپے تھے۔

اگرآپ کا اسلام اورپیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل ایمان اور اعتقاد نہ ہوتا توکیسے

دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رسول خدا ﷺ کو یوں خطاب کیا ؟!:

وَ اللّهِ لَا وَصَلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ   حَتَّى أُغَيَّبَ فِي التُّرَابِ دَفِيناً
فَامْضِ ابْنَ أَخٍ فَمَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ وَ أَبْشِرْ بِذَاكَ وَ قِرَّ مِنْكَ عُيُوناً
وَ دَعَوْتَنِي وَ زَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِي وَ لَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ قَبْلُ أَمِيناً
وَ لَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَ دِينَ مُحَمَّدٍ   مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا [۱]

خدا کی قسم! اگروہ سب مل کر اپنی پوری قوت صرف بھی کرے؛جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک آپ کو ان کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔پس اے میرے برادر زادے! جو آپ کا مقصد ہے اسے آشکار کرلو اور اس کی بشارت دو کوئی عیب والی بات نہیں ہے اور تم خوش رہو۔چشم شما روشن باد۔[یہ فارسی اصطلاح میں ایک دعائے خیر ہے]

اور تم نے مجھے دعوت دی ہے مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ناصح ہو اور تم نے سچ کہا ہے ،اور تم پہلے سے ہی امانت دار تھے۔اور میں بھی جانتا تھا کہ دین محمد تمام مخلوقات عالم

۱: الغدیر، ج۷، ص۳۳۴۔

کے دین سے بہتر دین تھا۔

اگر ابوطالب علیہ السلام ایمان نہ لائے ہوتے تو ابولہب کی طرح وہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، خدا کی طرف سے مورد مذمت اور قابل نفرین قرار پاتے؛ لیکن ایمان ابوطالب ؑ ہمارے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین ؑ کے فرامین کے ذریعے واضح اور روشن ہے، اور آپ کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنا کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ ابن ابی الحدید نے اشعار کی شکل میں اس مطلب کو بیان کیا ہے:

لو لا ابو طالب و ابنه   لما مثل الدين شخصا فقاما

فهذا بمكة آوي و حامي و هذا بيثرب جس الحماما (۱)

"اگر ابوطالب علیہ السلام اور ان کے فرزند علی نہ ہوتے تو دین اسلام بطور نمونہ برپا نہ ہوتا۔ پس ابوطالب علیہ السلام نے مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی اور ان کے بیٹے نے مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی"۔

۱: شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج۱۴، ص۸۴۔

اگر علی نہ ہوتے تو ابوطالب سید سادات المسلمین والسابقین الاولین ہوتے ۔

جابربن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے وضاحت فرمائی، یہاں تک کہ ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں عرض کی:

قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ اللهُ أَكْبَرُ النَّاسُ يَقُولُونَ [إِنَ] أَبَا طَالِبٍ مَاتَ كَافِراً قَالَ يَا جَابِرُ اللهُ أَعْلَمُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ لَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أُسْرِيَ بِي فِيهَا إِلَى السَّمَاءِ انْتَهَيْتُ إِلَى الْعَرْشِ فَرَأَيْتُ أَرْبَعَةَ أَنْوَارٍ فَقُلْتُ إِلَهِي مَا هَذِهِ الْأَنْوَارُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا عَبْدُالْمُطَّلِبِ وَ هَذَا أَبُو طَالِبٍ وَ هَذَا أَبُوكَ عَبْدُ اللهِ وَ هَذَا أَخُوكَ طَالِبٌ فَقُلْتُ إِلَهِي وَ سَيِّدِي فَبِمَا نَالُوا هَذِهِ الدَّرَجَةَ قَالَ بِكِتْمَانِهِمُ الْإِيمَانَ وَ إِظْهَارِهِمُ الْكُفْرَ وَ صَبْرِهِمْ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى مَاتُوا ۔[1]

جابربن عبد اللہ انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ اکبر؛ لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ حالت کفر میں اس دنیا سے رحلت کر گئے!

۱: بحار الانوار، ج۳۵، ص۱۶۔

فرمایا: اے جابر خداوند سب سے زیادہ جاننے والا ہے علم غیب کا مالک ہے، جس رات جبرئیل مجھے معراج پر لے گئے اور عرش پر پہنچے تو چار نور دیکھنے میں آئے، میں نے سوال کیا: خدایا یہ چار نور کن کے ہیں؟!تو اللہ تعالي کی طرف سے جواب آیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عبدالمطلب، ابوطالب، تیرے والد عبداللہ اور تیرے بھائی طالب کے ہیں۔میں نے کہا: اے میرے اللہ اے میرے آقا! یہ لوگ کیسے اس مرتبے پر پہنچے؟ خدا تعالی کی طرف سے جواب آیا: ایمان کے چھپانے اور کافروں کے مقابلے میں کفر کے اظہار اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے پہنچے ہیں۔

یونس بن نباتہ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

قال یا یونس ما یقول الناس في ایمان ابو طالب علیہ السلام قلت جعلت فداك ، يقولون «هو في ضحضاح من نار و في رجليه نعلان من نار تغلى منهما امّ رأسه» فقال كذب اعداءالله ، ان اباطالب علیہ السلام من رفقاء النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين و حسن اولئك رفيقا۔ [1]

۱: کنز الفوائد، ص۸۰۔

چنانچہ محمد بن یونس نے اپنے والد سے انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ھے کہ آنحضرت نے ہم سے کہا: اے یونس ! لوگ ابوطالب کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ میں نے عرض کی ، مولا میں آپ پر قربان ہو جاؤں ؛ لوگ کہتے ہیں :

هو في ضحضاح من نار و في رجليه نعلان من نار تغلى منهما امّ رأسه۔

"ابو طالب کھولتی ہوئی آگ میں پیروں میں آگ کے جوتے پہنے ہوئے ہے جس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہے "

امام نے فرمایا: خدا کی قسم یہ خدا کے دشمن لوگ غلط کہہ رہے ہیں ! ابوطالب انبیاء، صادقین ، شہداء اور صالحین کے ساتھیوں میں سے ہیں اور وہ لوگ کتنے اچھے ساتھی ہیں ۔ [1]

قصہ مختصر اگر علمائے اہل سنت بھی تھوڑا انصاف سے کام لیتے تو ایمان ابو طالب علیہ السلام کو درک کر لیتے کہ ایمان کے کتنے درجے پر آپ فائز تھے ۔ لیکن بعض خود غرض اور بغض اور

۱:۔ الطرائف؛ترجمہ داود الہامی؛ ایمان ابو طالب ص۴۴۸ ۔

کینہ دل میں رکھنے والے لوگوں نے ایک جعلی اور ضعیف روایت جو حدیث ضحضاح کے نام سے مشہور ہے اس کو دلیل بنا کر امیر المؤمنین کے پدر گرامی اور پیغمبر اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کے ایمان کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اگر ان لوگوں کو اہل بیت اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے دشمنی نہ ہوتی تو ان ساری صحیح اور معتبر حدیثوں میں سے صرف ایک ضعیف حدیث کو نہیں اپناتے ۔ اور شیخ بطحا مؤمن قریش پیغمبر اسلام ﷺ کے بڑے حامی پر یہ تہمت نہ لگاتے ۔ [۱]

محققین اور راویوں نے اس حدیث کی بررسی اور گہری تحقیق کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ حدیث مورد اعتماد نہیں ہے ۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک اس روایت کو نقل کرنے والے جھوٹے، بعض مجہول اور بعض علی علیہ السلام اور ان کی اولاد سے بغض و کینہ رکھنے والے تھے ۔ جن میں سے ایک مغیرۃ بن شعبہ ہے جو ایک فاسق و فاجر اور سخت دشمن اہل بیت تھا ۔ اس بارے میں درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کرسکتے ہیں :

۱: الطرائف؛ترجمہ داود الہامی؛ ایمان ابو طالب ص۴۶۰۔

۱- اسنى المطالب في نجاة ابي طالب، سيد احمد زيني دحلان۔

۲- شيخ الأبطح او ابو طالب، سيد محمد علي آل شرف الدين۔

۳- الطرائف-ترجمہ داود الهامی، ص: ۴۶۱۔

۴- الشهاب الثاقب، لرجم کفر ابی طالب، شیخ نجم الدین۔

۵- ایمان ابی طالب، ابو علی کوفی۔

٦- ایمان ابی طالب، مرحوم مفید۔

۷- ایمان ابی طالب، ابن طاوس۔

۸- ایمان ابی طالب، احمد بن قاسم۔

۹- بغیۃ الطالب ۔۔، سید محمد عباس تستری ۔

۱۰- موهاب الواهب في فضائل ابی طالب۔

۱۱- الحجۃ علی الذاهب الی تکفیر ابی طالب، سید فخار۔ [۱]

۱: ایضاً، ص ۴۶۱۔

امام کاظم ؑ سے روایت ہے:

إِنَّ إِيمَانَ أَبِي طَالِبٍ لَوْ وُضِعَ فِي كِفَّةِ مِيزَانٍ وَ إِيمَانَ هَذَا الْخَلْقِ فِي كِفَّةِ مِيزَانٍ لَرَجَحَ إِيمَانُ أَبِي طَالِبٍ عَلَى إِيمَانِهِمْ ثُمَّ قَالَ كَانَ وَ اللَّهِ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُ أَنْ يُحَجَّ عَنْ أَبِي النَّبِيِّ وَ أُمِّهِ وَ عَنْ أَبِي طَالِبٍ حَيَاتَهُ وَ لَقَدْ أَوْصَى فِي وَصِيَّتِهِ بِالْحَجِّ عَنْهُمْ بَعْدَ مَمَاتِهِ۔ (۱)

" اگر ایمان ابوطالب ؑ کو ترازو کے ایک پلڑے میں قرار دیدیا جائے اور دوسری تمام مخلوقات کے ایمان کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو ابوطالب ؑ کا ایمان دوسرے تمام مخلوقات کے ایمان سے زیادہ بھاری ہوگا ۔۔۔ خدا کی قسم امیر المؤمنین ؑ جب تک زندہ رہے اپنے باپ، ماں اور رسول خدا ﷺ کی نیابت میں حج انجام دیتے رہے ۔ اور حسن و حسین ؑ کو بھی وصیت کرگئے کہ وہ لوگ بھی اسی طرح ان کی نیابت میں حج انجام دیتے رہیں ۔ اور ہم میں سے ہر امام اس سنت پر عمل کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آخری حجت کا ظہور ہوگا "

۱: إيمان أبي طالب (الحجة على الذاهب إلى كفر أبي طالب)؛ ص۸۵

عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ع أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أَبِي طَالِبٍ أَ كَانَ مُؤْمِناً فَقَالَ نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَاهُنَا قَوْماً يَزْعُمُونَ أَنَّهُ كَافِرٌ فَقَالَ وَا عَجَبَاهْ أَ يَطْعَنُونَ عَلَى أَبِي طَالِبٍ أَوْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ص وَ قَدْ نَهَاهُ اللهُ أَنْ يُقِرَّ مُؤْمِنَةً مَعَ كَافِرٍ فِي غَيْرِ آيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ وَ لَا يَشُكُّ أَحَدٌ أَنَّ بِنْتَ أَسَدٍ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ السَّابِقَاتِ وَ أَنَّهَا لَمْ تَزَلْ تَحْتَ أَبِي طَالِبٍ حَتَّى مَاتَ أَبُو طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ۔ (۱)

امام سجاد علیہ السلام سے ایمان ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں سوال ہوا: کیا وہ مؤمن تھے ؟
تو فرمایا: ہاں۔
راوی نے عرض کی: یہاں ایک قوم رہتی ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ابوطالب حالت کفر میں اس دنیا سے چلے گئے ہیں!
تو امامؑ نے فرمایا: واعجبا! کیا وہ لوگ ابوطالب پر طعنہ اور تہمت لگارہے ہیں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر؟! جب کہ خدا تعالی نے قرآن مجید کی کئی آیات میں کفار کے ساتھ ازدواج کو

۱: بحار، ج ۳۵، ص ۱۱۷۔

ممنوع قرار دیا ہے؛ اور اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ فاطمہ بنت اسد مؤمنہ عورتوں میں سے تھیں اور مرتے دم تک ابوطالبؑ کی زوجیت میں رہیں ۔

اور یہ دوسری دلیل ہے ایمان ابوطالب پر کہ مسلمان عورتوں کا کافروں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے ؛ چنانچہ ۔ جب زینب نے اسلام قبول کیا ، اور ابی العاص نے شریعت اسلام قبول نہیں کیا تو اسلام نے ابی العاص کے ایمان لانے تک ان کے درمیان فاصلہ ڈالا۔ اور جب وہ ایمان لایا تو دوبارہ نکاح پڑھ کر ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک کیا ۔ [1]

لیکن حضرت فاطمہ بنت اسد وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینے میں رسول خدا (ص) کی طرف ہجرت کی ہے اور آپ پیغمبر اسلام (ص) کیلئے مہربان ترین خاتون تھیں۔ [2]

جب آپ رحلت کرگئی تو امیر المؤمنین علیہ السلام روتے ہوئے رسول خدا (ص) کی خدمت میں تشریف لائے ۔ رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میری ماں فاطمہ اس نیا سے رحلت کر گئی ہے ۔ فقال رسول الله : امي و الله!

۱: تنقیح المقال في علم الرجال، ج۳، ص۷۹۔

۲: اصول کافي، ج۱، باب امیر المؤمنین ۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم وہ میری ماں تھی ۔ آپ ﷺ روتے ہوئے تشریف لائے اور تشییع جنازے میں شریک ہوئے ۔ [1]

پس اگر فاطمہ بنت اسد مؤمنہ تھیں اور ابو طالب علیہ السلام کافر، تو کیسے پیغمبر اسلام (ص) نے ان کے درمیان جدائی نہیں ڈالی ؟! کیسے یہ تصور ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) نے ایک مہم ترین احکام اسلام سے چشم پوشي کرتے ہوئے اس حکم کو تعطیل کیا ہو؟!۔ [2]

پیغمبر اکرم (ص) اور تقیہ

پیغمبر اسلام ﷺ کے تقیہ کرنے کے موارد میں سے ایک مورد آپ کا بعثت سے تین سال پہلے مخفیانہ طور پر دعوت دینا تھا ۔

۱: اصول کافي، ج ۱، باب امیر المؤمنین۔

۲: بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۵۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو جو کہ مشرکوں کا نمایندہ تھا، کی درخواست پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے 'باسمک اللھم' لکھنا اور رسول اللہ ﷺ کے عنوان کو حذف کرکے محمد بن عبداللہ لکھنا بھی ایک قسم کا تقیہ ہے ۔ (۱)

آنحضرت (ص) کا عبد اللہ بن ابي پر نماز میت پڑھنا اور بجائے دعا کے آہستہ سے نفرین کرنا جبکہ وہ منافقین مدینہ کا سردار تھا ؛ موارد تقیہ میں سے تھا ۔ (۲)

علي علیہ السلام اور تقیہ

آپ کا سقیفہ والوں کے انتخاب پر ظاہراً ۲۵ سال تک خاموش رہنا جبکہ آپ کو معلوم تھا کہ قرآن اور فرمان رسول خدا ﷺ کے مطابق خلافت پر آپ کا حق تھا ، لیکن مسلمانوں کے درمیان وحدت اور اتحاد کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے خاموش رہنا ،تقیہ تھا ۔ جس

۱: ابن هشام؛ السنة النبويہ،ج۳، ص۳۱۷ ۔

۲: وسائل الشیعہ،ج۹ ، ص۳۲۸ ۳۲۹۔

کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی مصلحتوں کو محفوظ کیا۔ اگر آپ خاموش نہ رہتے تو اس وقت روم والے مسلمانوں کے سر پر کھڑے تھے کہ کوئی موقع ہاتھ آجائے تاکہ مسلمانوں پر حملہ کرکے ان کو نابود کرسکیں، جو مسلمانوں کی وحدت کی وجہ سے ناکام ہوا۔

آپ کا اپنے زمانے کے حاکموں کے پیچھے نماز پڑھنا بھی تقیہ کے مواردمیں سے ہے۔

امام حسن، امام حسین، امام سجاد اور تقیہ

امام حسن علیہ السلام کی خلافت کا دور ۲۱ رمضان ۴۱ھ سے لے کر وفات امام سجاد علیہ السلام سن ۹۵ھ تک تاریک ترین اور وحشت ناک ترین دور ہے جس سے آئمہ طاھرین دوچار ہوئے۔

صلح امام حسن علیہ السلام ربیع الاول سال ۴۱ھ کے بعد اور حکومت اموي کے برسر اقتدار آنے کے بعد، شیعہ اور ان کے پیشواؤں کو شدید دباؤ میں رکھا گیا۔ معاویہ نے حکم دیا کہ خطیب لوگ علي علیہ السلام اور ان کے خاندان کی شان میں گستاخی کریں

اور منبروں سے لعن طعن کریں ۔ شہادت امام حسین علیہ السلام سن ۱ ٦ھ کے بعد مزید سختی کرنے لگے ۔ حضرت علي علیہ السلام نے اپني خاص روشن بینی کی وجہ سے اپنے بعد آنے والے تمام واقعات کی پیشگوئي فرمائی ۔ اور اس دوران میں اپنے دوستوں سے تقیہ کرنے کا حکم فرمارہے تھے ۔کہ جب بھی ان کے مولا کے بارے میں گستاخی کرنے پر مجبور کیا جائے تو اپنی جان بچائیں اور ان کی بات قبول کریں ۔ (۱)

اس دوران میں آئمہ علیہم السلام کے سیاسي تقیہ کے واضح ترین مصداق، صلح امام حسن علیہ السلام کوقراردے سکتے ہیں ۔کہ جو خود مہم ترین علت اور اسباب میں سے ایک ہے جس کا مقصد مسلمانوں خصوصاً شیعیان حیدر کرار کے خون کی حفاظت تھی ۔ (۲)

اسی طرح امام حسین علیہ السلام کا معاویہ کے خلاف جنگ نہ کرنا بھی تقیہ شمار ہوتا

۱: بحار الانوار،ج۷۵، ص۳۹۳۔

۲: بحار الانوار،ج۷۵، ص ۴۴۷۔

ہے ۔ اور اس دوران امام حسن و امام حسین ؑ کا مروان بن حکم ، حاکم مدینہ کے پیچھے نماز پڑھنا بھی سیاسي و اجتماعي تقیہ کے مصادیق میں سے ہے ۔ [1]

اگر تاریخ کا مطالعہ کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام سجاد ؑ تقیہ کرنے کا ایک خاص طریقہ اپناتے ہیں اور وہ دعا کی شکل میں اسلامی معارف اور تعلیمات کا عام کرنا ہے ۔ جس کا مجموعہ صحیفہ سجادیہ کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے ۔

امام باقر ؑ اور تقیہ

امام باقر ؑ کا دور بنی امیہ کے کئی خلفاء ولید بن عبد الملک ، سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، ھشام بن عبد الملک)کا دور تھا اس دوران میں سخت گیري نسبتاً کم ہوئی ۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے شیعہ مکتب کے مختلف کلامي، فقھي اور فرھنگي امور کو تدوین کرکے اسلامي مکاتب کے سامنے رکھ دیا ، اور بہت

۱: بحار الانوار، ،ج۸۸۔

سے شاگردوں کی تربیت کی ۔

ہم امام ؑ کے سیاسی تقیہ کے موارد میں سے درج ذیل توریہ والی روایت کو شمار کر سکتے ہیں کہ امام ؑ نے ہشام کی مجلس میں اس سے یوں خطاب کیا : یا امیر المؤمنین الواجب علي الناس الطاعة لامامهم و الصدق له بالنصیحه۔[1] اے امیر المؤمنین! لوگوں پر واجب ہے کہ اپنے امام ؑ کی اطاعت کریں اور نصیحت اور خیر خواہی کے وقت اسے قبول کریں ۔

اس روایت میں لفظ امام ،غاصب حاکموں اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام دونوں پر قابل تطبیق ہے ۔بنی امیہ کے بادشاہوں سے تقیہ کرتے ہوئے شاہین اور عقاب کے ذریعے شکار کرنے کو حلال قرار دیا ؛ ان دو پرندوں کے ذریعے خلفائے بنی امیہ بہت زیادہ شکار کیا کرتے تھے ۔امام باقر علیہ السلام کے تقیہ کرنے پر یہ روایت صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے ۔[2]

۱: بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۳۱۶۔

۲:وسائل الشیعہ، ج ۱۶ ،ص ۲۶۴۔

امام صادق ؑ اور تقیہ

امام صادق ؑ کي ۳۴ سالہ مدت امامت ۱۱۴ھ سے لیکر ۱۴۸ھ تک) آئمہ طاھرین ؑ کي طولاني ترین مدت امامت شمار ہوتی ہے کہ جسے تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

پہلا حصہ:

یہ ھشام بن عبد الملک(۱۰۵۔۱۲۵) کادور تھا، جو سیاسي لحاظ سے قدرت مند خلیفہ شمار ہوتا تھا اور مملکت اسلامي کے او ضاع پرمسلط تھا۔ امامؑ اور ان کی فعالیتوں کو سخت کنٹرول میں رکھتا تھا۔

دوسرا حصہ:

یہ دورہ سن ﴿ ۱۲۵_۱۴۵ ﴾ھ کو شامل کرتا ہے کہ بني امیہ کي حکومت رو بہ زوال تھي اوربني عباس کے ساتھ جنگ وجدال میں مشغول ہوگئے تھے آخرکار ان کے ہاتھوں شکست کھا کران کي حکومت سرنگوں ہوئي ۔

تیسرا حصہ:

سن(۱۴۵ ۱۴۸)ھ کوشامل کرتا ہے کہ اس وقت منصور نے شدت

کے ساتھ امام ؑاور ان کی فعالیتوں کو مختلف اطراف سے کنٹرول کررکھا تھا۔

بحارالانوار میں آنحضرت کے تقیہ سے مربوط ۵۳ روایت جمع کي گئي ہیں ۔ [1] کہ جن میں سے زیادہ تر اس کتاب کے مختلف صفحات پر ذکر ہوئی ہیں ۔

جب منصور نے امام ؑکو ان کی حکومت کے خلاف قیام کرنے سے ڈرایا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے بنی امیہ کے زمانے میں کوئي ایسا قیام نہیں کیا ہے جب کہ وہ سب سے زیادہ ہمارے ساتھ دشمنی کرنے والے تھے، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے چچا زاد بھائی کے خلاف قیام کروں جب کہ رشتے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب ہے ، اورسب سے زیادہ میرے اوپر مہربان اور نیکی کرنے والا ہے۔ [2]

امام صادق علیہ السلام کی وصیت بعنوان تقیہ ہم بیان کر سکتے ہیں کہ جب امام صادق علیہ السلام رحلت فرماگئے تو منصور نے مدینہ کے گورنر کو خط لکھا : جس کو بھی امام ؑنے اپنا جانشین

۱: ۔ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۹۳۔

۲: بحار الانوار، ج ۷۵ ، ص، ۱۹۶۔

اور وصی بنایا، اسے اپنے پاس لا کر اس کا سر قلم کردو۔

جب مدینے کا گورنر اس ماجرا کی تحقیق کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام کئی افراد کو اپنے جانشین کے طور پر معین کرچکے ھیں، جیسے موسی ابن جعفر علیہ السلام ، اپنی زوجہ حمیدہ اور اپنے دوسرے فرزند عبداللہ اور خود امام علیہ السلام ۔جن میں سے خود منصور اور مدینہ کا گورنر بھی شامل ہیں۔
دوسرے دن جب منصور کو یہ خبر دی گئی تو وہ چیخ اٹھا اور کہنے لگا : اے گورنر اس صورت میں میں کسی کو بھی قتل نہیں کرسکتا ۔ (۱)

الْإِمَامُ الْعَسْكَرِي علیہ السلام فِي تَفْسِيرِهِ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً قَالَ الصَّادِقُ ع قُولُوا لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ حُسْناً مُؤْمِنِهِمْ وَ مُخَالِفِهِمْ أَمَّا الْمُؤْمِنُونَ فَيَبْسُطُ لَهُمْ وَجْهَهُ وَ أَمَّا الْمُخَالِفُونَ فَيُكَلِّمُهُمْ بِالْمُدَارَاةِ لِاجْتِذَابِهِمْ إِلَى الْإِيمَانِ فَإِنِ اسْتَتَرَ مِنْ ذَلِكَ يَكُفَّ شُرُورَهُمْ عَنْ نَفْسِهِ وَ عَنْ إِخْوَانِهِ الْمُؤْمِنِينَ

۱: مهدي پيشوائي؛ سيره پيشوايان، ص۴۱۴۔

قَالَ الْإِمَامُ ع إِنَّ مُدَارَاةَ أَعْدَاءِ اللهِ مِنْ أَفْضَلِ صَدَقَةِ الْمَرْءِ عَلَى نَفْسِهِ وَ إِخْوَانِهِ كَانَ رَسُولُ اللهِ فِي مَنْزِلِهِ إِذِ اسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي سَلُولٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ ائْذَنُوا لَهُ فَأَذِنُوا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ أَجْلَسَهُ وَ بَشَرَ فِي وَجْهِهِ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللهِ قُلْتَ افِيهِ مَا قُلْتَ وَ فَعَلْتَ بِهِ مِنَ الْبِشْرِ مَا فَعَلْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ص يَا عُوَيْشُ يَا حُمَيْرَاءُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ يُكْرَمُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ وَ قَالَ الْإِمَامُ ع مَا مِنْ عَبْدٍ وَ لَا أَمَةٍ دَارَى عِبَادَ اللهِ بِأَحْسَنِ الْمُدَارَاةِ وَ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فِي بَاطِلٍ وَ لَمْ يَخْرُجْ بِهَا مِنْ حَقٍّ إِلَّا جَعَلَ اللهُ نَفَسَهُ تَسْبِيحاً وَ زَكَّى أَعْمَالَهُ وَ أَعْطَاهُ لِصَبْرِهِ عَلَى كِتْمَانِ سِرِّنَا وَ احْتِمَالِ الْغَيْظِ لِمَا يَحْتَمِلُهُ مِنْ أَعْدَائِنَا ثَوَابَ الْمُتَشَحِّطِ بِدَمِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ (۱)

امام عسکري علیه السلام اپني تفسير ميں امام صادق علیه السلام سے اس آيہ شريفہ کے ذيل ميں نقل فرماتے ھيں: کہ ہر انسان کے ساتھ نيک گفتار ھونا چاھئے، خواہ وہ مؤمن ھو يا ان کا مخالف ھو۔ مؤمنوں کے ساتھ خوش روئي کے ساتھ پيش آئے، ليکن ان کے مخالفين کے ساتھ مدارات کے ساتھ پيش آئيں تاکہ ان کو ايمان کي طرف جلب کرسکيں۔ اگر يہ لوگ ان سے چھپائيں کہ يہ مؤمن ہيں تو ان کے شر سے اپنے

۱: مستدرک الوسائل، ج۹، ص ۳۶، باب استحباب مداراۃ الناس۔

آپ کو، اپنے مؤمن بھائیوں کو بچا سکتے ھیں ۔ امام ؑ نے فرمایا : دشمنوں کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آنا؛ اپني جان، اور اپنے بھائیوں کا بہترین صدقہ دینا ھے ۔ رسول خدا ﷺ ایک دن اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ عبداللہ بن ابي سلول نے دستک دي، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوم کا سب سے برا انسان ھے، اسے اندر آنے کي اجازت دي جائے ۔ جب وہ اندر داخل ھوا تو آپ نے خندہ پیشاني سے اس کا استقبال کیا ۔ جب وہ نکل گیا تو عائشہ نے سوال کیا : یا رسول اللہ ! آپ نے کہا کچھ ، اور کیا کچھ ؟ تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا: اے عویش اے حمیرا! اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا انسان وہ ھوگا، جس کے خوف سے لوگ اس کي عزت کریں ۔

امام ؑ نے فرمایا : کسي بھي مرد اور عورت میں سے کوئي بھي اللہ کے بندوں کیساتھ نیکي کرے ، جبکہ وہ اس حالت میں باھر نہیں نکلتا، مگر یہ کہ اللہ تعالي اس کے سانسوں کو اپني تسبیح پڑھنے کا ثواب لکھ دیتا ھے ۔ اور اس کے سارے اعمال کو خالص بناتا ھے اور اسے ھمارے اسرار کو چھپانے ، اور دشمن کے غم و غصے

کو برداشت کرنے کي وجہ سے، اس شخص کا ثواب عطا کرے گا ، جو اللہ کي راہ ميں جہاد کرتے ہوئے اپنے خون ميں غلطان ہوچکا ہو۔ اور اس مداراتي تقيہ کے نتائج کو بھی بیان فرمایا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ ع قَالَ مَنْ كَفَّ يَدَهُ عَنِ النَّاسِ- فَإِنَّمَا يَكُفُّ عَنْهُمْ يَداً وَاحِدَةً- وَ يَكُفُّونَ عَنْهُمْ أَيَادِيَ كَثِيرَةً۔ (۱)

جو بھی لوگوں کے ساتھ مدارات اور مہربانی کرے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے تو اس نے حقیقت ميں نہ صرف اپنا ایک ہاتھ کسي دوسرے کو اذیت اور تکلیف پہنچانے سے باز رکھا ، بلکہ بہت سے ہاتھوں کو اپنے اوپر ظلم و تشدد کرنے سے دور رکھا ہے ۔

۱: بحار الأنوار، ج۷۲، باب التقیۃ و المداراۃ،ص: ۳۹۳۔

امام موسي کاظمؑ اور تقیہ

امام کاظمؑ کا ۳۵سالہ دور امامت (۱۴۸ ۱۸۳) جو حضرت حجت (عج) کی امامت کے علاوہ طولاني ترین اور سخت ترین دور شمار ہوتا ہے ۔جس میں تقیہ کے بہت سے موارد دیکھنے میں آتے ہیں:

یہ دور،بنی عباس کے سخت اورسفاک خلفاء جیسے منصور، مهدي، هادي اور هارون کی حکومت کا دور تھا ۔کہ ان میں سے ہر ایک امامت کی نسبت بہت زیادہ حساس تھے ،یہاں تک کہ امامؑ کے بعض چاہنے والوں، جیسے محمد ابن ابي عمیر کئی عرصے تک جیل میں ڈالے گئے ۔ اسی دور میں حسین ابن علي ابن حسن جو شهید فخ کے نام سے معروف تھے، ۱۶۹ھ میں حکومت کے ساتھ ان کي جنگ هوئي ،جو ان کی شهادت پر جا کر ختم هوئي۔ اور هادي عباسي یہ تصور کررہا تھا کہ یہ جنگ ،امامؑ کے فرمان کے مطابق کي گئي ہے، اس لئے ان کے اوپر زیادہ سخت گیري کرنی شروع کردی ۔

اس دورمیں تقیہ امامؑ کے بعض موارد یہ ہیں:

۱ جب خلیفہ موسي الہادي اس دنیا سے چلا گیا تو امام ؑ کا اس کی ماں خیزران کو تعزیتي پیغام دیتے ہوئے خلیفہ کو امیر المؤمنین کا عنوان دے کر یاد کرنا اور اس کیلئے رحمہ اللہ کہہ کر طلب مغفرت کرنا اور پھر ھارون کی خلافت کو بھی امیر المؤمنین کے عنوان سے یاد کرتے ہوئے ان کو مبارک باد کہنا ،

مرحوم مجلسي نے اس خط کے ذیل میں لکھا ہے کہ ، آنحضرت کے زمانے میں شدت تقیہ کا نظارہ کر سکتے ہیں کہ انہیں ایک فاسق اور جابر حاکم کے لئے ایسے القابات لکھنے پر مجبور کردیا تھا ۔ (۱)

۲ یحيي بن عبد اللہ بن حسن نے ایک خط امام ؑ کے نام لکھا ، کہ آنحضرت کو حکومت عباسي کے خلاف قیام کرنے سے روکتے ہوئے سزا دی جائے ۔ لیکن امام ؑ نے

۱: بحار الانوار ، ج۴۸ ۔ ص۱۶۶ ۔

اس کے جواب میں خط لکھا جس کے ضمن میں اسے بطور خلیفہ یاد کیا ۔ امامؑ کا یہ خط ھارون کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ۔جسے دیکھ کر انہوں نے کہا: لوگ موسي ابن جعفر کے بارے میں مجھے بہت سی چیزیں بتا تے ہیں ، اور مجھے ان کے خلاف اکساتے ہیں جب کہ وہ ان تہمتوں سے پاک ھیں ۔ [1]

۳۔علي ابن یقطین جو ھارون کی حکومت میں مشغول تھے اور امامؑ کے ماننے والوں میں سے تھے ؛ ایک خط امامؑ کو لکھتے ہیں اور امامؑ سے وضو کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ امامؑ اس کے جواب میں اھل سنت کے وضو کا طریقہ اسے تعلیم دیتے ہیں کہ تم انہیں کی طرح وضو کیا کرو ۔ اگرچہ علي ابن یقطین کو بڑا تعجب ہوا ، لیکن حکم امامؑ کی اطاعت ضروری تھی ۔ ھارون کو بھی علي ابن یقطین پر شک ہو چکا تھا ، سوچا کہ اس کے وضو کرنے کے طریقے کو مشاہدہ کروں گا ۔ اگر اس نے مذھب شیعہ کے مطابق وضو کیا تو اسے بہت سخت سزادوں گا ۔ لیکن جب ان کے وضو کرنے کے طریقے

۱: بحار الانوار،ج۷۵،ص۳۸۔

کو دیکھا تو اسے اطمینان ہوا کہ ان کے بارے میں لوگ جھوٹ کہتے تھے، تو علی ابن یقطین کی عزت اور مقام اس کے نزدیک مزید بڑھ گیا۔ بلا فاصلہ اس ماجرا کے بعد امامؑ کی طرف سے علي ابن یقطین کو دستور ملا کہ وضو اب مذہب شیعہ کے مطابق انجام دیا کریں۔ (۱)

امام رضا علیہ السلام اور تقیہ

امام رضا علیہ السلام کی امامت کا دور (۱۸۳ ۲۰۳)تک ہے، جسے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلا دور: ۱۸۳ سے لیکر ۱۹۳ سال تک کا دور ہے۔ اس دور میں ہارون الرشید حاکم تھا؛ یہ دور شیعیان حیدر کرار پر بہت سخت گزرا۔ اس ملعون نے قسم کھائی ہوئی تھی کہ موسي ابن جعفر علیہ السلام کے بعد جو بھی امامت کا دعویٰ کرے گا اسے قتل کیا جائے گا۔ لیکن

۱: ریاض، ناصري، الواقفیہ۔

اس کے باوجود امام رضا علیہ السلام نے بغیر کسی خوف اور وہم و گمان کے اپنی امامت کو لوگوں پر آشکار کیا امامؑ کا تقیہ نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت خواہشات نفسانی اور مال و زر کے اسیروں نے آپ کی امامت کا انکار کر کے فرقہ واقفیہ کی بنیاد ڈالی تھی ۔ امام موسی علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہوگئے تھے ۔ چنانچہ کہنے لگے : الامام الکاظم لم یمت ولایموت ورفع الی السماء وقال رسول اللہ فی شانه:ویملأالارض قسطاً وعدلاً کماملئت ظلماً وجوراً۔ [1]

"امام کاظمؑ فوت نہیں ہوئے ہیں اور نہ فوت ہونگے ، انہیں خدا تعالی نے آسمان کی طرف اٹھایا ہے ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا: دنیا کو وہ عدل و انصاف سے اسي طرح پر کریں گے جس طرح ظلم و جور سے پر ہو چکی ہوگی "

اس ماجرے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاتھوں مال خمس اور زکوۃ کا کچھ حصہ موجود تھا ۔ کیونکہ حضرت امام موسی بن جعفر علیہ السلام قید و بند میں تھے ؛ جس کے بعد آپ کی

۱: بحار الانوار، ج۴۶، ص ۱۱۴ ۔

شہادت ہوئی تو جو مال ان کے ہاتھوں میں موجود تھا، ضبط کر لیا اور ان کے فرزند ارجمند علی ابن موسی الرضا علیہ السلام کی امامت کے منکر ہو گئے ۔ (۱)

زیاد بن مروان قندی جو گروہ واقفیہ میں سے تھا کہتا ہے: میں ابو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں تھا اور ان کے بیٹے علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام بھی ان کی خدمت میں حاضر تھے؛ مجھ سے فرمانے لگے: اے زیاد! یہ میرا بیٹا ہے اس کا قول میرا قول ہے اس کی کتاب میری کتاب ہے اس کا رسول میرا رسول ہے، اور یہ جو بھی زبان پر جاری کرے گا وہ حق ہوگا۔ (۲)

بہر حال امام علیہ السلام نے اپنی امامت کا اظہار کیا تو آپ کے ایک صحابی نے اصرار کیا کہ آپ لوگوں کو اپنی امامت کے بارے میں مزید وضاحت فرمائیں؛ تو فرمایا: اس سے بڑھ کر اور کیا وضاحت کروں ؟! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ہارون کے پاس جاکر اعلان کروں کہ میں لوگوں کا امام ہوں اور تیری خلافت اور تیرا منصب باطل ہے ؟! ایسا تو پیغمبر اکرم (ص) نے بھی

۱:۔ زندگانی چہاردہ معصوم علیہم السلام ، ،امامت حضرت رضا علیہ السلام , ص۴۲۴۔

۲:۔ زندگانی چہاردہ معصوم علیہم السلام ، ،امامت حضرت رضا علیہ السلام ، ص۴۲۵۔

اپنی رسالت کے اولین بار اعلان کرتے وقت نہیں کیا ہے، بلکہ آغاز رسالت میں اپنے دوستوں، عزیزوں اورقابل اعتماد افراد کو جمع کرکے اپنی نبوت کا اظہار کیا ۔ (۱)

امام هادي عليه السلام اورتقیہ

امام هادي عليه السلام کادوران امامت (۲۲۰ ۲۵۴ھ)بھی سخت ترین دور تھا، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ھے کہ بنی عباس کے خلفاء اور حکمران، آپ پرہر وقت پہرہ لگائے رکھتے تھے ۔چنانچہ متوکل(۲۴۷۲۳۲)نے امام عليه السلام کی فعالیت کو سخت کنٹرول میں رکھنے کیلئے مدینہ سے سامرا (دارالخلافہ) منتقل کردیا ۔جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ عباسیوں کے ایک گروہ نے متوکل کو خط لکھاکہ لوگ امام ہادی عليه السلام کے گرویدہ ہورہے ہیں جو تمہاری حکومت کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے ۔ اوراگر تم مکہ اور مدینہ چاہتے ہو تو علي ابن محمدکو مدینہ سے نکال کر کہیں اور منتقل کردو ۔ (۲)

۱:۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص ۱۱۴۔

۲:۔ بحار الانوار،ج۵۰،ص ۲۱۔

امام علیہ السلام کے سیاسی اوضاع کی شناخت کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔

اور اب اس دور میں اجتماعی تقیہ کے پائے جانے پر ہمارے پاس جو دلیل ہے، وہ یہ ہیں: روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ علی ابن مہزیار نے امامؑ سے پوچھا: کیا ہم اہل سنت کے احکام کے مطابق اموال پر مالک ہو سکتے ہیں جبکہ مکتب اہل بیتؑ کے احکام کے مطابق اس مال پر مالک نہیں بن سکتے؟ جیسے ارث وغیرہ کے احکام ہیں، جب کہ وہ لوگ اپنے احکام کے مطابق ہم سے اموال لیتے ہیں؟

تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

یجوز لکم ذالک انشاءاللہ اذا کان مذھبکم فیہ التقیة منھم والمداراة لھم۔ [1]

"ہاں تمہارے لئے ایسا کرنا جائز ہے انشاءاللہ اگر تقیہ اور مدارات کی حالت میں ہو"۔

۱:۔ وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص۱۶۵۔

امام جواد علیہ السلام اور تقیہ

امام جواد علیہ السلام کا دور امامت سن ۲۰۳ سے ۲۲۰ھ تک ہے جو مامون اور اس کے بھائی معتصم کی حکومت کا دور ہے۔ امامؑ نے بیشتر وقت مدینہ اور مرکزی حکومت سے دور رہ کر گزارا ۔ لیکن پھر بھی مامون اور معتصم ،ام الفضل جو آپ کی زوجہ اور مامون کی بیٹی ہے ، کے ذریعے امام علیہ السلام کے گھریلو معاملات میں جاسوسی کرنے لگے ؛ لیکن وہ قابل ذکر موارد جہاں آپ نے تقیہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱. **امام علیہ السلام کا نماز میں قنوت نہ پڑھنا:** اذا كانت التقية فلا تقنت وانا اتقلد هذا۔[۱]

۲. **ایک دفعہ يحيي بن اكثم کے ساتھ مناظرہ ہوا ، جب یحی نے ابوبکر اور عمر کی شان میں جعلی احادیث کو بیان کیا تو امامؑ نے فرمایا: میں منکر فضائل نہیں**

۱:۔ وسائل الشیعہ ،ج۴،ح۱ ۔

ہوں ، اس کے بعد منطقی دلائل کے ذریعے ان احادیث کے جعلی ہونے کو ثابت کرنے لگے ۔ (۱)

امام حسن العسکری علیہ السلام اور تقیہ

امام عسکری علیہ السلام کا دور امامت اگرچہ بہت ہی مختصر ہے (۲۵۴ ۲۶۰) لیکن اپنے بابا کے دور امامت سے کئی درجہ زیادہ سخت اور مشکل ہے ۔اس دور کے آغاز میں معتز(۲۵۲ ۲۵۵) نے آپ کو آل ابوطالب علیہ السلام کے کچھ افراد کے ساتھ قید کرلیا ۔ اس کے بعد مہدی(۲۵۵ ۲۵۶)عباسی نے بھی یہی رویہ اختیار کیا ،یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی گئی ۔ (۲)

لیکن وہ اس مکروہ ارادے میں کامیاب نہیں ہوا ۔ لیکن آخر کار معتمد(۲۵۶ ۲۷۹)

۱:۔ بحار الانوار،ج۵۰،ص۸۰۔

۲:۔ بحار الانوار،ص۳۰۸۔

جس نے یہ سن رکھا تھا کہ امام عسکری علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک فرزند آئے گا جو ظلم و بربریت کو ختم کرے گا ؛امامؑ اور ان کے خاندان پر کڑی نظر اور پہرہ ڈال رکھا تھا ، تاکہ وہ فرزند اس دنیا میں نہ آنے پائے ۔ آخرکار اس نے امام علیہ السلام کو شہید کردیا ۔

لیکن امام علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی ولادت کو مخفی رکھا ، یہاں تک کہ بہت سارے شیعوں کو بھی ان کی ولادت کا علم نہیں تھا جو سن ۲۵۵ھ میں متولد ہوئے تھے ۔[(۱)] کیونکہ بہت زیادہ خطرہ تھا ۔ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کا بھائی جعفر جو ایک بے ایمان انسان تھا ، آپ کی ساری میراث اپنے نام کروایا ۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ امامؑ کا کوئی وارث بھی ہے ۔[(۲)]

امام علیہ السلام کے کچھ سیاسی تقیہ کے موارد اپنے چاہنے والوں کے نام لکھے ہوئے خط سے

۱:۔ بحار الانوار ج ۵۱، ص ۔۱۵ ۔

۲:۔ الارشاد ، ج ۲، ص ۳۳۰۔

واضح ہوتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

۱ جب میں تمہارے سامنے سے گزروں تومجھے سلام نہ کرنا ۔اور اپنے ہاتھوں سے میری طرف اشارہ نہ کرنا ، کیونکہ تم لوگ امان میں نہیں ہو ۔اور اس طرح اپنے آپ کو درد سر میں ڈالنے سے محفوظ رکھو ۔

۲ امام علیہ السلام جب اپنے اصحاب سے ملاقات کرتے تھے تو ان کیلئے مخفی طورپرپیغام بھیجتے تھے کہ فلاں جگہ جمع ہو جائیں ، تاکہ ایک دوسرے کا دیدار ہو سکے ۔ ۔امام علیہ السلام سخت سیاسي دباؤکی وجہ سے اپنے چاہنے والوں کوتقیہ کرنے پر زیادہ زور دیتے تھے ۔جیساکہ فرمایا:

وسع لهم في التقيه يجاهرون باظهار موالاة اولياءالله و معادات اعداءالله اذا قدروا و يستروها اذا عجزوا۔

خداتعالی نے شیعیان حیدر کرار کیلئے تقیہ میں راحت اور آرام کو پوشیدہ رکھا ہے کہ اپنی طاقت اور قدر کو آشکار کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ کے چاہنے والوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کا اعلان کریں، اور جب بھی دوسرے گروہ کے مقابلے میں کمزور واقع ہوجائیں تو اس دوستی اوردشمنی کوچھپائیں ؛ پھر فرمایا:

أَلَا وَ إِنَّ أَعْظَمَ فَرَائِضِ اللهِ عَلَيْكُمْ بَعْدَ فَرْضِ مُوَالاتِنَا وَ مُعَادَاةِ أَعْدَائِنَا اسْتِعْمَالُ التَّقِيَّةِ عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَ إِخْوَانِكُمْ وَ مَعَارِفِكُمْ وَ قَضَاءُ حُقُوقِ إِخْوَانِكُمْ فِي

اللهِ أَلَا وَ إِنَّ اللَّه يَغْفِرُ كُلَّ ذَنْبٍ بَعْدَ ذَلِكَ وَ لَا يَسْتَقْصِي فَأَمَّا هَذَانِ فَقَلَّ مَنْ يَنْجُو مِنْهُمَا إِلَّا بَعْدَ مَسِّ عَذَابٍ شَدِيدٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ مَظَالِمُ عَلَى النَّوَاصِبِ وَ الْكُفَّارِ فَيَكُونَ عَذَابُ هَذَيْنِ عَلَى أُولَئِكَ الْكُفَّارِ وَ النَّوَاصِبِ قِصَاصاً بِمَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ مِنَ الْحُقُوقِ وَ مَا لَهُمْ إِلَيْكُمْ مِنَ الظُّلْمِ فَاتَّقُوا اللَّه وَ لَا تَتَعَرَّضُوا لِمَقْتِ اللهِ بِتَرْكِ التَّقِيَّةِ وَ التَّقْصِيرِ فِي حُقُوقِ إِخْوَانِكُمُ الْمُؤْمِنِينَ۔ [1]

آگاہ رہو ! ہمارے ساتھ دوستی اور ہمارے دشمنوں کے ساتھ نفرت اور دشمنی کے بعد خدا تعالی کے واجبات میں سے سب سے بڑا واجب تقیہ کرتے ہوئے اپنی اور اپنے دوستوں کی حفاظت کرو اور اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرو ، آخر میں فرمایا: تقوی الہی کو اپنا پیشہ قراردو اور اپنے آپ کو تقیہ نہ کرکے اور اپنے مؤمن بھائیوں کے حقوق ادا نہ کرکے غضب الہی کے مستحق نہ بنو ۔

۳۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک چاہتا تھا کہ آپ اعلانیہ طورپر حجت خدا کی حیثیت سے معرفی ہوجائیں۔ لیکن امام علیہ السلام نے فرمایا: خاموش رہو ! یا اسے چھپائے رکھو یا آشکار کرکے موت

۱:۔ بحار الانوار ، ج ۷۵، ص ۴۰۹ ۔

کیلئے تیار ہو جاؤ۔ [1]

امام علیہ السلام زندان میں بھی آزاد نہیں تھے بلکہ وہاں بھی جمحی نامی ایک شخص جاسوس رکھا گیا تھا امامؑ نے جس سے زندانیوں کے سامنے خلیفہ کے لئے تیار کیا گیا خط نکالا جس میں زندانیوں کے خلاف رپورٹ تیار کیا گیا تھا۔[2]

آپ کے ایک صحابی کہتا ہے کہ ہم ایک گروہ سامرہ میں امامؑ کی ملاقات کرنے گئے ہمیں امامؑ نے ایک خط لکھا جس میں حکم دیا گیا تھا: کوئی مجھے سلام نہ کرے اور نہ ہاتھوں سے اشارہ کرے، کیونکہ تمہاری جانیں خطرے میں ہیں۔ [3]

عبد العزیز بلخی کہتا ہے ہم نے دیکھا کہ امامؑ شہر کے دروازہ کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔، میں نے دل میں سوچا کہ اونچی آواز میں لوگوں کو بتادوں: لوگو! یہ حجت خدا ہیں انہیں پہچان لو۔ پھر سوچا ایسی صورت میں تو مجھے قتل کیا جائے گا۔ جب امامؑ میرے

۱:۔ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۹۰۔

۲: ۔ ابن صباغ مالکی، الفصول المھمۃ، ص ۳۰۴، ابن شہر آشوب، مناقب آل ابیطالب، ج ۴، ص ۴۳۷۔

۳: ۔ مجلسی، باقر؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۶۹۔

نزدیک پہنچے تو ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ خاموش رہو ورنہ مارے جاؤگے، اس رات کو میں امامؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوا تو فرمایا: راز فاش کرکے اپنے آپ کو خطر میں نہ ڈالو ورنہ مارے جاؤگے۔ [1]

حضرت حجت(عج) اور تقیہ

آنحضرت(عج) کی امامت کاپہلا دور جو غیبت صغری کا دور کہلاتا ہے اور سنہ (۲۶۰ ۳۲۹)ھ پر مشتمل ہے ۔اس دوران میں امامؑ اپنے چار خاص نائبین کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے ۔ ان چار نائبین کے نام لیتے ہوئے امامؑ کے ساتھ ان کا رابطہ اور تقیہ کے موارد کو بیان کریں گے:

۱: ۔ مسعودی، اثبات الوصیہ، نجف، المکتبۃ الحیدریۃ، ص۲۴۳۔

۱۔ ابو عمرو عثمان ابن سعید عمري

وہ امام حسن العسکري علیہ السلام کے وکیل بھی تھے جو روغن فروشي کے شغل کو اپنی فعالیتوں کیلئے وسیلہ قرار دیتے ہوئے امامؑ تک ان کے اموال کو پہنچاتے تھے ۔یہی وجہ تھی کہ ابو عمرو عثمان عمری ''سمان'' یعني روغن فروش کے نام سے معروف تھے۔[1]

۲۔ ابو جعفر محمد بن عثمان

اس زمانے میں شیعیان حیدر کرار کا زیادہ اصرار تھا کہ امام علیہ السلام کا نام مبارک معلوم ہوجائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اس قدر پوشیدہ تھا کہ بہت سارے شیعوں کو ان کا نام بھی معلوم نہ تھا ۔ لیکن آنحضرت نے ایک خط میں جو محمد بن عثمان کے ذریعے بھیجا ؛ جس میں یوں لکھا تھا :

۱:۔ بحار الانوار، ج، ۵۱،ص ۳۴۴۔

ليخبر الذين يسالون عن الاسم،امّا السكوت و الجنة و امّا الكلام و النارفانهم اوقفوا علي الاسم اذاعوه و ان وقفوا علي المكان دلواً عليه۔ [1]

ضروری ہے کہ ان لوگوں کو جو میرا نام جاننا چاہتے ہیں، بتادوں کہ اس بارے میں خاموش رہیں تو ان کے لئے بہشت ہے اور اگر اس بارے میں بات کریں تو ان کے لئے جہنم ہے ۔ کیونکہ جو میرا نام جاننے کے بعد اسے افشا کرے اور اگر اسے میرے رہنے کی جگہ معلوم ہوجائے اور دوسروں کو خبر دے تو وہ عذاب جہنم کا مستحق ہے ۔

۳۔ ابو القاسم حسین بن روح

حسین بن روح جو بہت ہی محتاط انسان تھے، امنیت اور حفاظت کے تمام اصول اور قواعد وضوابط کو بروئے کار لاتے تھے ۔ چنانچہ محمد بن عثمان کے بعد نائب امام آپ ہی کو بننا تھا، جب ایک مؤمن نے آپ سے سوال کیا کہ کیوں یہ نیابت آپ کو نہیں ملی ؟

تو کہا : میں ایک ایسی حالت میں تھا کہ اگر اس بارے میں مجھ پر سختی کرتے تو شاید میں

۱۔ بحار الانوار، ج، ۵۱،، ص ۳۵۱۔

آنحضرت کے مکان اور جائیگاہ کا راز فاش کر دیتا ۔ [1]

ان کے تقیہ کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے کہ ایک مجلس میں تینوں خلیفوں کو علي علیہ السلام سے افضل اور برتر توصیف اور تمجید کرنے لگے اور لوگوں کو اپنے اوپر راضی کرنے لگے تو ایک صحابی جو آپ کے عقیدے سے باخبر تھا ، ہنسنے لگا ۔ جب مجلس اختتام پذیر ہوا تو اس شخص کے پاس گئے اور اسے خوب ڈانٹا اور اسے کہا اگر دوبارہ کبھی ایسا کیا تو رابطہ قطع کردوں گا۔ [2]

۴ علي ابن محمد السمري

ان کی وفات کے وقت ایک خط جو آنحضرت(عج) نے آپ کو دیا تھا جس میں نائب خاص کے منقطع اور اس کے دعوی کرنے والوں کی تکذیب کی ہوئی تھی ۔ اسی طرح آپ کے سیاسی تقیہ کے موارد میں شیعوں سے خمس وزکوۃ لینے کے بعد ان کو کوئی رسید نہ

۱:۔ بحار الانوار، ج، ۵۱، ، ص۳۵۹۔

۲:۔ بحار الانوار، ج، ۵۱،، ص۳۵۶۔

دینا بھی شامل ہے ۔ [1]

۱: بحار الانوار، ج، ۵۱، ، ص۳۵۴۔

تیسری فصل

مذاہب اہل سنت اور تقیہ

تیسری فصل:مذاہب اہل سنت اورتقیہ

گذشتہ مباحث سے معلوم ہو اکہ بیشتر اسلامي فرقے تقیہ کو قبول کرتے ہیں ۔لیکن بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے جیسے :

- فرقہ ازارقہ کہتا ہے ،تقیہ نہ قولاً جائزہے اور نہ فعلاً۔
- فرقہ صفریہ کہتا ہے ، تقیہ قولاً جائزہے لیکن فعلاً جائز نہیں ۔
- فرقہ زیدیہ کہتا ہے ، تقیہ اھل عصمت کیلئے جائزہے لیکن عصمت کے نا اہل کیلئے جائز نہیں ہے ۔

تمام مفسّران مذاہب مختلف اسلامی مشروعیت تقیہ کو قرآن ہی سے درج ذیل آیات کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں:

۱:﴿ لاَ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ﴾۔۔۔[۱]

مذاہب اسلامی کے سارے مفسّرین کا اتفاق نظر ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی کفر قریش انہیں اذیت و آزار پہنچاتے تھے جس سے بچنے کے لئے یہ لوگ تقیہ کرتے تھے۔ حسن بصری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مسیلمہ کذاب کے دو جاسوسوں نے دو مسلمان کو پکڑ کر اس کے پاس لے آئے اور اس نے ایک سے

۱: سورہ آل عمران، آیہ ۲۸۔

کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں ۔ مسیلمہ نے اسے قتل کرنے کا جلاد کو حکم دیا۔ دوسرے سے یہی سوال دہرایا۔ اس نے منفی میں جواب دیا۔ تو اسے چھوڑ دیا گیا۔

اس شخص نے رسول خدا کی خدمت میں جاکر ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے ساتھی نے اپنے ایمان پر استقامت کا مظاہرہ کیا اور تم نے اس راستے کا انتخاب کیا ،جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ [۱]

امام شافعی نے اس آیۃ کے ذیل میں لکھا ہے: شرعی لحاظ سے مجبور کیا ہوا انسان کی بات ناگفتہ تلقی ہوتی ہے اور وہ اگر قسم بھی کھائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ [۲]

شیخ محمد فواد عبدالباقی نے اس آیت کے ذیل میں ابن ماجہ سے ایک حدیث نقل کی ہے: ۔۔۔ چند مسلمانوں کو مشرکوں نے گرفتار کر لیا تو جو بھی انہوں نے کہا اس پر عمل کیا۔ اور ایسی حالات

۱: ۔ تفسیر الحسن البصری، ج ۲، ص ۷۶۔

۲: ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی، احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۱۴۔

میں تقیہ ضرور کرنا چاہئے۔ کیونکہ خدا تعالی نے فرمایا ہے: الا من اکرہ و قلبه مطمئن بالایمان۔ [1] اسی طرح بہت سارے علمائے اہل سنت نے ایسی صورت میں تقیہ کو جائز مانے ہیں، جن میں سے کچھ کا نام یہ ہیں:

ابن جوزی[2]، فخر رازی[3]، بیضاوی [4] و امام شوکانی [5]

۲: ﴿ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ ۔ [6]

تمام مذاہب اسلامی کے مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مومن آل فرعون ، فرعون کا چچا

---

۱ ۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۵۰۔

۲ ۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب الغریز، ج ۱۰، ص ۲۳۵۔

۳ ۔ زاد المیسی، ج ۴، ص ۴۹۶۔

۴ ۔ تفسیر الکبیر، ج ۲، ص ۱۳۲۔

۵ ۔ انوار التنزیل و اسرار التأویل، ج ۱، ص ۵۷۱۔

۶ ۔ سورہ غافر، آیہ ۲۸

زاد بھائی تھا جس نے حضرت موسی پر ایمان لایا ہوا تھا۔جب فرعون نے موسی کو قتل کرنا چاہا تو انہوں نے کہا: کیا ایسے شخص کو قتل کروگے جو کہتا ہے کہ میرا خدا اللہ ہے؟جبکہ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو یہی جھوٹ اس کے لئے باعث ہلاکت ہے۔ اور اگر سچا ہے تو کچھ عذاب تو تم تک بھی پہنچنے والا ہے ،جن کا وہ وعدہ دے رہا ہے۔ بے شک خدا کسی اسراف کرنے اور زیادہ طلبی کرنے اور جھوٹ بولنے والے کی ہدایت نہیں کرتا۔ پس ان کا ایمان کا چھپانا اور فرعونیوں کے ساتھ ہمدردی اور دل سوزی کا اظہار کرنا تقیہ کے علاوہ کیا کچھ اور ہو سکتا ہے؟جن کے مشورے سے موسی کلیم اللہ کی جان بچ گئی۔

محدّثان اھل سنّت نے ابن عباس اور دوسرے محدثین سے ایک روایت نقل کی ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا: صدیقین چار لوگ ہیں: حبیب نجار، مؤمن آل یاسین، مؤمن آل فرعون کہ جنہوں نے کہا: «اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ» اور علی بن ابیطالب ،جو ان سب میں افضل ہیں۔ (۱)

۱:۔ متقی ھندی، کنزالعمال، ص ۱۱؛ قرشی، مسند شمس الاخبار، ص ۹۸؛ محمدبن حرین جلال، حاشیہ کشف الاستار، ص ۹۸۔

۳: ﴿ فَابْعَثُواْ أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَاذِهِ إِلىَ الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيهُّا أَزْكىَ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا إِنهَّمْ إِن يَظْهَرُواْ عَلَيْكمُ يَرْجُمُوكمُ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فىِ مِلَّتِهِمْ وَ لَن تُفْلِحُواْ إِذًا أَبَدًا ﴾؛ [1]

"اب تم اپنے سکے دے کر کسی کو شہر کی طرف بھیجو وہ دیکھے کہ کون سا کھانا بہتر ہے اور پھر تمہارے لئے رزق کا سامان فراہم کرے اور وہ آہستہ جائے اور کسی کو تمہارے بارے میں خبر نہ ہونے پائے یہ اگر تمہارے بارے میں باخبر ہوگئے تو تمہیں سنگسار کردیں گے یا تمہیں بھی اپنے مذہب کی طرف پلٹا لیں گے اور اس طرح تم کبھی نجات نہ پاسکو گے"

کے ذیل میں مفسرین اہل سنت لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف نے اس زمانے کے بت پرست بادشاہ کے سامنے اپنا ایمان چھپا کر تقیہ کرتے رہے ،یہاں تک کہ غار میں پناہ لیں۔

شیعہ مفسرین نے امام جعفر صادق ؑ سے اس بارے میں روایت کی ہے:اصحاب کہف سے بڑھ کر کسی نے تقیہ نہیں کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کے گلے میں طوق پہنائے جاتے تھے۔ اسی

۱۔ کہف ۱۹ – ۲۰۔

لئے اللہ تعالی نے انہیں دو بار اس کا اجر عطا کیا ہے۔ [۱]

فخر رازی شافعی، و قرطبی مالکی نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے۔ [۲]

تقیہ اور احادیث اہل سنت

اہل سنت کی بہت سی روایتوں میں تقیہ کے جواز کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔جیسا کہ سیوطی نے رسول خدا کی ایک حدیث نقل کی ہے، آپ نے فرمایا:بدترین قوم وہ قوم ہے جن کے درمیان مومنین تقیہ کرنے پر مجبور ہوں۔

ابن عربی مالکی لکھتا ہے کہ رسول اللہ تین ہجری میں ایک گروہ کو کعب ن اشرف طائی جو یہودی قبیلہ بنی نصر کا سردار تھا،جن میں محمدبن مسلمہ تھا ۔ اس نے اپنے ساتھیوں سمیت کہا:یا رسول اللہ کیا ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ مجبوری کے وقت آپ کو ناسزا کہیں؟ رسول

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۱۷۴۔

۲۔ تفسیر الکبیر، ج ۲۱، ص ۱۰۳۔

خدا نے انہیں اجازت دے دی۔ [1]

شیعہ سنی دونوں کی کتابوں میں مشہور حدیث "لا ضرر و لا ضرار فی الاسلام "نقل ہوئی ہے ۔جس کی تفصیل میں لکھتے ہیں :اس کی مشہور ترین مصداق ، اجبار اور اضطرار کے موقع پر تقیہ کو ترک کرکے جانی اور مالی نقصان پہنچانے سے روک دینا ہے۔ [2]

امام شافعی اور ان کے پیروکاروں نے آیہ شریفہ:"الا ما اضطررتم "کے ذیل میں لکھا ہے کہ مجبور شخص کا طلاق دینا اور آزاد کرنا حیثیت نہیں رکھتا۔ [3] یعنی نہ طلاق جاری ہوگا اور نہ غلام کو آزاد کرنے سے آزاد ہوگا۔کیونکہ اس پر حکم ساقط ہے۔اس لئے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے طلاق جاری کیا ہے اور غلام کو آزاد کیا ہے،اور اپنی جان بچانا اس پر واجب ہے۔اسی طرح اگر وہ کفر آمیز کلمات زبان پر لائے تو اس پر مرتد کا حکم بھی نہیں لگا سکتا،کیونکہ اس کا مقصد اپنے دین کی حفاظت کرنا تھا۔

۱۔ احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۲۵۷۔

۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۷۸۴؛ السنن الکبری بیہقی، ج ۶، ص ۶۹؛ معجم الکبیر طبرانی، ج ۲ ، ص ۸۱؛ المستدرک حاکم، ج ۲، ص ۵۸۔

۳۔ احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۹۴۔

اس بحث میں ہم ثابت کریں گے کہ اھل سنت والجماعت اور ان کے آئمہ نے بھی تقیہ کیا ہے ، چنانچہ وہ احادیث جنہیں مسلم اور بخاري نے ذکر کیا ہے اہل سنت صحیح مانتے ہیں ۔ اور یہ دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ اپنی جان بچانے کیلئے کفر کا اظہار کرنا جائز ہے ، اور اسی ضمن میں عمار بن یاسر کا قصہ نقل کرتے ہیں : الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ۔

آگے کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی جان خطرے میں پڑ جائے تو عمار بن یاسر کی پیروی کرنا کوئی بدعت نہیں ہے ۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ عمار ، سر سے لیکر پیر تک سارا وجود ایمان سے لبریز تھا ۔ [۱]

ذھبي نے اسی قصے کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر مسلم اور بخاری نے اسے صحیح اور جائز مانا ہے تو جائز ہے ۔

---

۱ ۔ تقیہ از دیدگاہ مذاہب و فرقہ ہای اسلامی ، ص ۹۵ ۔

تقیہ اور صحابہ کا نظریہ

عمر بن خطاب (ت ۲۳ھ) اور تقیہ

بخاری روایت کرتا ہے کہ عمر بن خطاب نے جب اسلام قبول کیا تو مشرکوں سے خوف زدہ ہو کر گھر میں چھپا رہا، اس قصہ کو عبداللہ بن عمر خطاب نے یحیی بن سلیمان کے ذریعے "عمر بن خطاب کا اسلام" کے باب میں نقل کیا ہے: وہ لکھتا ہے کہ عمر ابن خطاب بہت ہي خوف زدہ ہوگیا تھا، ابو عمرو عاص بن وائل سہمی جو دور جاہلیت میں اس کے ساتھ ہم پیمان ہو چکا تھا عمر کے پاس آیا، عاص بن وائل نے عمر سے کہا: تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تو عمر نے جواب دیا تیری قوم کا کہنا ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے قتل کیا جائیگا۔ تو اس نے کہا: وہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جب اس سے یہ

بات سنی تو اس کے بعد سے امان محسوس کرنے لگا ۔

اس کے بعد عاص باہر آیا اور دیکھا کہ لوگ درّے سے نیچے آرہے ہیں ، ان سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو ؟ تو کہنے لگے : خطاب کے بیٹے کو قتل کرنے جارہے ہیں۔
اس نے کہا: نہیں تم ایسا نہیں کروگے؛ تو وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے ۔ (۱)

مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث پوری صراحت کے ساتھ بیان کررہی ہے کہ عمر نے تقیہ کے طورپر اپنے آپ کو گھر میں چھپائے رکھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر نے اپنی اسلامی زندگی کا آغاز ھي تقیہ سے کیا ۔ اور اس کی کوئی عاقل انسان مذمت بھی نہیں کر سکتا ؛ کیونکہ یہ ایک فطری عمل ہے ، اس کے برخلاف اگر کوئی دشمن کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرلے تو وہ قابل مذمت ہے ۔

۱۔ صحیح بخاری ۵: ۶ باب اسلام عمر بن خطاب۔

عبد اللہ ابن مسعود(ت ۳۲ھ)اور تقیہ

عبداللہ ابن مسعود کہتا ہے: جب بھی مجھے کوئی ظالم و جابر اپنی مرضی کے مطابق الفاظ زبان پر لانے پر مجبور کرے جو ایک یا دو کوڑے لگنے سے بچنے کا سبب ہو تو ضرور وہ الفاظ زبان پر جاری کروں گا۔

اسی کے ذیل میں ابن حزم کہتا ہے:اس بارے میں کسی بھی صحابی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ سب کا اتفاق ہے۔ [۱]

یہ بات تقیہ کے جائز ہونے اورسارے صحابہ کا اتفاق ہونے پر دلیل ہے اگرچہ جابر حکمران کے ایک یا دو تازیانے سے بچنے کیلئے ہی کیوں نہ کیا جائے۔

ابن مسعود کا تقیہ کرنے کا دوسرا مورد ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھنا ہے کہ

۱۔ المحلی ابن حزم ج ۸ ص ۳۳۶، مسالہ ۱۴۰۹۔

ولید کبھی شراب پی کر مستی کی حالت میں مسجد نبوی ﷺ میں آتا اور نماز جماعت پڑھاتا تھا ؛ ایک دن اس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی جب لوگوں نے تعجب کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ کانا پھوسی کرنے لگے تو کہا: کیا تمہارے لئے ایک رکعت کا اور اضافہ کروں ؟

ابن مسعود نے اس سے کہا :ہم آج کے دن کو ابتدا سے ہی زیادتی کے ساتھ شروع کریں گے ۔ (۱)

ٍ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن مسعود اور دوسرے تمام نمازگزاروں نے فاسق اور شراب خور حاکم کے سامنے تقیہ کرتے ہوئے نمازیں ادا کی ہیں ۔ اور یہ وہی شخص ہے جسے عثمان کے زمانے میں شرابخوری کے جرم میں کوڑے مارے گئے تھے ۔ (۲)

---

۱ ۔ قاضی دمشقی، شرح العقیدہ الطحاویہ؛ ج۲،ص ۵۳۳۔

۲ ۔ صحیح مسلم،ج۳،ص ۱۳۳۱، کتاب الحدود، باب الخمر۔

ابو الدرداء(ت ۳۲ھ)اور تقیہ

بخاری اپنی کتاب میں ابودرداء سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک گروہ کے سامنے مسکرا رہے تھے جب کہ اپنے دلوں میں ان پر لعنت بھیج رہے تھے۔ [۱]

ابو موسی اشعری(ت ۴۴ھ)اور تقیہ

ابو موسی اشعری نے بھی اسی روایت کو اسی طرح نقل کیا ہے کہ ہم ایک گروہ کے سامنے مسکرا رہے تھے جب کہ اپنے دلوں میں ان پر لعنت بھیج رہے تھے۔ انہوں نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس گروہ سے مراد وہ ظالم اور جابر حکمران تھے، کہ جن کے شر سے بچنے کیلئے تقیہ کرتے ہوئے ہم ان کے سامنے مسکرا رہے تھے۔ [۲]

۱۔ صحیح بخاری، ج ۸ ص ۳۷ کتاب الادب، باب المداراۃ مع الناس۔

۲۔ قرافی، الفروق؛ ج ۴، ص ۲۳۶۔

ثوبان (ت ۵۴ھ) غلام پیغمبر اور تقیہ

یہ بات مشہور ہے کہ ثوبان جھوٹ کو ان موارد میں مفید اور سود مند جانتا تھا جہاں سچ بولنا مفید نہ ہو۔ غزالی (ت ۵۰۵ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جھوٹ بولنا گناہ ہے سوائے ان موارد میں کہ جہاں کسی مسلمان کو نقصان اور ضرر سے بچائے اور فائدہ پہنچے۔ [۱]

ابو ہریرہ (ت ۵۹ھ) اور تقیہ

ان کی زندگی کے بہت سارے واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اموی حکومت والوں کے شر سے بچنے کیلئے تقیہ کو بہترین اور وسیع ترین وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ابو ہریرہ واضح طور پر تقیہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر تقیہ نہ ہوتا تو میری گردن بھی اب تک اڑ چکی ہوتی۔

۱۔ احیاء علوم الدین؛ غزالی، ج ۳، ص ۱۳۷۔

صحیح بخاری لکھتا ہے کہ اسماعیل نے ہمارے لئے نقل کیا کہ میرے بھائی نے ابی ذئب سے انہوں نے سعید مقبری سے انہوں نے ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: دوچیزوں کو پیغمبر خدا سے ہم نے حفظ کیا ؛ ایک کو ہم نے پھیلا دیا اور دوسری کو مخفی رکھا ۔ اگر اسے بھی آشکار کرتے تو میری گردن کٹ چکی ہوتی ۔ (۱)

فقہ مالکی اور تقیہ

امام مالک بن انس (ت ۲۷۹ھ) کے تقیہ بارے میں پہلے بیان کرچکا ؛ جس میں ان کا کہنا تھا : کوئی بھی ایک بات جو جابر حکمران کے دو کوڑے سے بچنے کا باعث ہو ، اسے میں اپنی زبان پر جاری کروں گا۔ (۲)

اسی طرح مالکی مذہب کے علماء بھی جبر اور اکراہ کے موقع پر کفر آمیز کلمات

۱۔ صحیح بخاری ، ، کتاب العلم ، باب حفظ العلم ، ج ۱ ، ص ۴۱ ۔

۲۔ مالک بن انس؛ المدونہ الکبری ، ج ۳،ص ۲۹، کتاب الایمان بالطلاق۔

کا زبان پر لانے کو، جب کہ اس کا دل ایمان سے پر ہو؛ جائز قرار دیتے ہیں ۔

ابن عربی مالکی (ت۵۴۳ھ) کہتا ہے کہ مؤمن تقیہ کرکے کافر ہوجائے لیکن ایمان سے اس کا دل مطمئن اور استوار ہو تو اس پر مرتد کا حکم جاری نہیں ہوگا ۔ وہ دنیا میں معذور اور آخرت میں بخشا جائے گا ۔

پھر صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔اسی کے ذیل میں مالکی مذہب کے ہاں اکراہ اور جبر کے موقع پر قسم کھانا اور اس میں تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؛ اس مورد میں تقیہ کے جواز پر حکم لگاتا ہے ۔ [1]

فقہ حنفی اور تقیہ

فقہ حنفی میں تقیہ کا مفہوم بہت وسیع ہے ۔ان کے فقہاء بڑی دقت اور اہتمام

١۔ ابن عربی؛ احکام القرآن، ج٣، ص١١٧٧۔١١٨٢۔

کے ساتھ تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ ہم یہاں صرف ایک کتاب جس میں تقیہ کے کئی مورد بیان کیے گئے ہیں جو حنفی عالم دین فرغانی (ت ۲۹۵ھ) نے قاضی خان کے فتاویٰ کو جمع کر کے لکھے ہیں ۔

پہلا مورد:

جب کسی شخص کو کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کرے ، اور اگر نہ مانے تو اسے خود قتل کیا جائے گا یا اس کے بدن کا کوئی عضو کاٹا جائے گا؛ تو کیا ایسے مورد میں اس پر اکراہ صادق آتا ہے ؟ اور کیا وہ ایک مسلمان کو قتل کرسکتا ہے ؟ اگر جائز نہیں ہے تو کیا اس پر قصاص ہے ؟

ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اکراہ اس پر صادق آتا ہے اور قصاص مجبور کرنے والے سے لیا جائے گا نہ کہ مجبور ہونے والے سے ۔

ابو یوسف کہتا ہے کہ اکراہ صحیح ہے اور قصاص کسی پر بھی واجب نہیں ہے لیکن مقتول کی دیت مجبور کرنے والے پر واجب ہے کہ تین سال کے اندر مقتول کے وارث کو دی جائے !!!

امام مالک اور امام شافعي سے نقل کیا ہے کہ اکراہ کرنے والا اور مجبور کئے جانے والا ، دونوں کو قتل کرنا چاہئے ۔ اس کا مطلب یہ ھے کہ ابو حنیفہ ،امام مالک،امام شافعي اس بات کے قائل ھیں کہ مجبور شخص دوسرے انسان کو قتل کرسکتا ھے ۔[1] جب کہ شیعوں کے نزدیک مجبور شخص، خود قتل تو ھو سکتا ھے لیکن کسي کو وہ قتل نہیں کرسکتا ۔

دوسرا مودر:

کسی فعل کا انجام دینا اس کے ترک کرنے سے بہتر ہے تو ایسی صورت میں تقیہ جائز ہے ۔ اور جب بھی اس فعل کے ترک کرنے سے وہ گناہ کا مرتکب ہوجائے تو اس پر تقیہ کرنا واجب ہے ۔ جیسے اگر کسی کو خنزیر کا گوشت کھانے ، یا شراب پینے پر مجبور کیا جائے تو مجبور ہونے والے کو کھانا اور شراب کا پینا جائز ہے ۔ اسی طرح کوئی پیغمبر اسلام (ص) کی شان میں گستاخی کرنے اور زبان پر کفر آمیز الفاظ کے استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے

---

۱ ۔ فرغاني؛ فتاوی قاضی خان؛ ،ج ۵،ص ۴۸۴۔

تو جائز ہے، جب کہ اس کا دل رسول خدا ﷺ پر ایمان اور ان کی محبت سے پر ہو۔

تیسرا مورد:

اگر کسی عورت کو قید کرکے اسے زنا کرنے پر مجبور کیا جائے، اور وہ زنا کرلے تو اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی ۔ جب کہ شیعوں کے نزدیک مجبوري کي حالت میں بھي زنا جائز نہیں ہے ۔[۱]

چوتھا مورد:

اگر کسی مرد کو مجبور کرے کہ ماہ رمضان میں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرے یا کوئی چیز کھائے یا پیئے، تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے لیکن اس روزے کی قضا اس پر واجب ہوگی۔[۲]

---

۱ ۔ فرغانی؛ فتاوی قاضی خان، ج ۵، ص ۴۹۲۔

۲ ۔ فرغانی؛ فتاوی قاضی خان، ج ۵، ص ۴۸۷۔

فقہ شافعی اور تقیہ

فقہ شافعی(ت،۲۰۴) ،میں تقیہ وہاں جائز اور مباح ہے، جہاں مجبور ہونے والے کیلئے جائز ہو ؛ جیسے: کفر آمیز کلمات کا زبان پر جاری کرنا، جبکہ اس کا دل ایمان سے پر ہے ۔شافعی کے نزدیک وہ شخص ایسا ہے جیسے اس نے زبان پر ایسا کوئی کفر آمیز کلمہ جاری ہی نہیں کیا ہے ۔اس بات کو عطاء بن ابی ریاح (ت۱۱۴ھ)کی طرف نسبت دی گئی ہے جو بڑے تابعین میں سے ایک ہے ۔ [1]

اسی طرح ابن حجر عسکلانی شافعی (ت۸۲۵ھ) نے بھی مجبور ہونے کی صورت میں تقیہ کرنے اور کفر آمیز الفاظ زبان پر جاری کرنے کی اجازت دی ہے ۔ [2]

تقیہ کا ایک اور مورد جسے سیوطی شافعی (ت۹۱۱ھ) نے بیان کیا ہے: وہ صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ جب بھی زبان پر کفر کا اظہار کرنے پر مجبور ہوجائے تو اپنی جان بچانے کی

---

۱ ۔ امام شافعی؛ احکام القرآن، ج۲، ص ۱۱۴۔۱۱۵۔

۲ ۔ ابن حجر عسکلانی؛ فتح الباری، ج۱۲، ص ۲۶۳۔

خاطر زبان پر کفر کا اظہار کرنا افضل ہے ۔آگے لکھتا ہے کہ اسی طرح جب بھی مجبور ہو جائے شراب پینے پر، پیشاب پینے پر، خنزیر کا گوشت کھانے پر، دوسروں کا مال تلف کرنے پر، دوسرے کی غذا کھانے پر، جھوٹی گواہی دینے پر، رمضان میں روزہ توڑنے پر، واجب نماز کے ترک کرنے پر،۔۔۔تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ انہیں انجام دے ۔ان کی تعبیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو خدا کی بارگاہ میں توبہ کے ذریعے ساقط ہو سکتی ہے ، اکراہ کے ذریعے بھی ساقط ہو سکتی ہے ۔ (۱)

فقہ حنبلی اور تقیہ

ابن قدامہ حنبلی (ت ۶۲۰ھ)نے حالت اکراہ میں تقیہ کے مباح ہونے پر وضاحت کی ہے کہ مجبور شخص کا فعل، تہدید اور اکراہ کی وجہ سے جائز ہو جائے گا اور حد بھی جاری نہیں ہوگی۔ (۲)

۱۔ سیوطی؛ الاشباہ و النظایر فی قواعد و فروع الفقہ الشافعی، ص ۲۰۷ ۔۲۰۸

۲ ۔ ابن قدامہ ، المغنی ،ج ۸،ص ۲۶۲۔

فقہ حنبلی میں تقیہ کے موارد میں ذکر ہوا ہے کہ کفر آمیز کلمہ پر اگر اکراہ کیا جائے تو اس کیلئے جائز ہے حنبلی مذہب کے مفسروں نے لکھا ہے :

ابن جوزی نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کفر پر مجبور کرنے کی صورت میں تقیہ کرنا جائز ہے ۔

احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) کا اس بارے میں نظریہ ہے کہ اگر مجبور شخص اس فعل کو انجام نہ دے تو جابر اسے قتل کرے گا یا اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے گا ، دونوں صورتوں میں تقیہ کرنا اس کیلئے جائز ہے ۔ [۱]

ابن قدامہ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی کو کفر آمیز کلمہ زبان پر لانے پر مجبور کیا جائے تو تقیہ کرے اور اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا ۔ ان کا کہنا ہے کہ مالک، شافعی اور ابوحنیفہ کی بھی یہی رائے ہے ۔

۱۔ ابن جوزی؛ زاد المسیر، ج ۶، ص ۶۹۶۔

ابن قدامہ اپنے نظریے کی تائید کیلئے قرآن کریم اور سنت نبوی سے استدلال کرتا ہے ۔ [1]

امام شافعی اور تقیہ

دو جگہوں پر امام شافعی نے تقیہ کیا ہے اور دونوں مورد ہارون الرشید کے ساتھ پیش آئے:

۱۔ سارے تاریخ دانوں کے ہاں مشہور ہے کہ امام شافعی نے ایک مدت تک یمن میں اپنی زندگی گزاری اور یمن کے اکثر لوگ علوی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ اور شافعی بھی علویوں کی طرف مائل ہوئے اور یہاں سے ان پر قسم قسم کی مشکلات آنا شروع ہوئیں۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے قبیلے میں وہ شیعہ مشہور ہوگئے۔ یہ بات ہارون الرشید کے جاسوسوں پر مخفی نہ رہی ، حماد بربری نے یمن سے ہارون الرشید کو ایک خط لکھا اور اسے علویوں کی

۱۔ ابن قدامہ ؛ المغنی ؛ ، ج ۱۰ ، ص ۹۷۔

طرف سے خطرے کا احساس دلایا ، اور شافعی کے وجود کو ان کیلئے بہت ہی خطرناک قرار دیا اور کہا کہ شافعی کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ تلوار سے زیادہ تیز ہے ۔ اس لئے ہارون نے یہ دستور دیا کہ شافعی کو بعض علوی اکابرین کے ساتھ بغداد بھیجا جائے ۔جب یہ لوگ بغداد پہنچے تو ہارون نے سارے علویوں کے قتل کا حکم دیا اور بے چون وچرا سب کو قتل کیا گیا ۔ لیکن شافعی نے تقیہ کے طور پر ایک جملہ کہا جو حقیقت پر مشتمل نہیں تھا ، اس نے ہارون سے کہا : کیا میں اس شخص کو ترک کردوں جو کہتا ہے ، میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں ؟! اور اس شخص کی جانب داری کروں کہ جو کہتا ہے کہ میں اس کا خادم اور غلام ہوں ؟!! [1]

شافعی کا یہ جملہ مؤثر ہوا اور ان کی جان بچ گئی ۔

۲۔ تقیہ کا دوسرا موردپہلا مورد سے زیادہ واضح تر اور آشکار تر ہے : ایک دن شافعی کو زنجیروں میں بندھے ہوئے ہارون کے دربار میں لایا گیا ۔جس میں ان کے کچھ دشمن

۱۔ بیھقی ؛ مناقب الشافعی ، ج ۱،ص ۱۱۲ ۔

بھی موجود تھے؛ جن میں سے ایک بشر مریسی معتزلی (ت۲۱۸ھ) تھا ۔ اس نے حکم دیا کہ شافعی کو اور سخت سزا دی جائے جسے ہارون الرشید سن رہا تھا ؛ شافعی سے کہنے لگا: تو اجماع کا مدّعی ہے کیا کوئی ایسی چیز کا علم ہے جس پر لوگوں کا اجماع قائم ہوا ہو ؟ شافعی نے جواب دیا : اسی امیر المؤمنین پر لوگوں نے اجماع کیا ہے ۔ جو بھی ان کی مخالفت کرے گا، وہ مارا جائے گا ؛ ہارون ہنس پڑا ، پھر حکم دیا کہ زنجیروں کو کھول کر انہیں آزاد کر دیا جائے ،پھر ان کو اپنے پاس بٹھا کر ان کا احترام کرنے لگا۔ (۱)

امام مالک اور تقیہ

جب تک بنی عباس کا حکم ظاہر نہیں ہوا اس وقت تک بنی امیہ کے دور میں مالک نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل نہیں کی ۔ یہ اپنی جان و مال کے خوف اور تقیہ کے سوا کچھ نہیں تھا ۔

پس ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ کیسے آپ کے اماموں کیلئے تقیہ کرنا

۱۔ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء؛ ج ۹، ص ۸۲۔۸۴

جائز ہوا اور ہمارے لئے تقیہ جائز نہیں ؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ تعصب کی بنا پر یہ لوگ ایک جائز اور قرآنی حکم کا مزاح کر رہے ھیں۔

ابو بکر اور تقیہ

مکہ اور مدینہ کے درمیان میں پیغمبر اسلام (ص) کے ھمراہ ایک اونٹ پر سوار تھا ۔ اور اس سے پہلے بھی ابوبکر کا مکہ اور مدینے میں آنا جانا رہتا تھا ۔ راستے سے بخوبی واقف تھا ۔۔۔ جب ابوبکر سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ کون ہے ؟ تو اس نے کہا : یہ میرا رہنما ہے ۔

واقدي کہتا ہے :رسول خدا (ص) ابو بکر کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اور جس سے بھی ملاقات کرتے تھے اور پوچھتے جاتے تھے کہ یہ کون ہے تیرے ساتھ ؟ تووہ کبھي نہیں

کہتے تھے کہ: یہ رسول خدا (ص) ہیں بلکہ وہ کہتے تھے کہ یہ میرا رہنما ہے ۔ [1]

امام احمد بن حنبل اور تقیہ

مامون کے بعد معتصم عباسي نے دوسری مرتبہ احمد حنبل کا امتحان لیا اورپوچھا: تیرا قرآن کے بارے میں کیا عقیدہ ہے ؟

چونکہ اس وقت عرب اوریونان کے فلاسفروں اوردانشمندوں کے درمیان قرآن کے قدیم یا حادث ہونے میں اختلاف پایا جاتا تھا ؛ احمدبن حنبل نے کہا: میں ایک دانشمند انسان ہوں لیکن اس مسئلے کو نہیں جانتا ۔ خلیفہ نے سارے علماء کو جمع کیا تاکہ اس کے ساتھ علمی بحث شروع کریں ۔ عبد الرحمن نے احمد کے ساتھ بحث شروع کی ، لیکن قرآن کے مخلوق ہونے کا اعتراف نہیں کیا ،جب اسے کئی کوڑے لگے تو اسحق نے ان کے ساتھ مناظرہ کی خلیفہ سے اجازت مانگی تو خلیفہ نے بھی اجازت دے دی ۔

اسحاق: یہ جو علم تیرے پاس ہے اسے کیا کسی فرشتے کے ذریعے سے تم پر الہام ہوا ہے

---

۱ ۔ محب الاسلام، شیعه مي پرسد،ج۲،ص ۲۷۴۔

یا لوگوں سے حاصل کیا ہے ؟

احمد: دانشمندوں سے سیکھا ہے ۔

اسحاق: تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل کیا ہے یا ایک ہی مرتبے میں؟

احمد: تھوڑا تھوڑا اور بتدریج حاصل کیا ہے ۔

اسحاق:کیا مزید علم باقی ہے جو تو نے نہیں سیکھا ہے؟

احمد:ہاں ضرور باقی ہے ۔

اسحاق: قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ اسی علم کی وجہ سے ہے جو ابھی تک نہیں سیکھا ہے اور امیر المؤمنین تجھے سکھائے گا۔

احمد: امیر المؤمنین کی اسی بات کو قبول کرتا ہوں ۔

اسحاق :کیا قرآن کے مخلوق ہونے میں؟

احمد:ہاں قرآن کے مخلوق ہونے میں۔

ان کے اس اعتراف پر گواہ رکھ کر اسے شاہی لباس تحفہ دیا اور آزاد کردیا۔ [۱]

---

۱ ۔ تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۹۷۔

امام اهل سنت احمد بن حنبل کے اس مناظرہ پر مشہور و معروف ادیب اور دانشمند "جاحظ" نے ایک اچھی تفسیر لکھی ہے ۔ جاحظ اپنے اس رسالے میں اہل سنت سے مخاطب ہے کہ تمہارے امام احمد بن حنبل نے رنج اور امتحان کے بعد اعتراف کرلیا ہے: سوائے کافرستان کے کہیں اور تقیہ جائز نہیں ہے ۔ لیکن ان کا قرآن کے بارے میں مخلوق ہونے کا اعتراف کرنا تقیہ کے سوا کچھ اور تھا ؟! اور کیا یہ تقیہ دار الاسلام میں انہوں نے نہیں کیا جو اپنے عقیدے کی تکذیب کررہا ہے ؟! اگر ان کا اقرار صحیح تھا تو تم ان سے اور وہ تم سے نہیں ہیں ۔

شیعہ ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ حجر بن عدی اور یزید بن صوحان عبدي جو علی کے ماننے والے تھے ان کا معاویہ کا ظالمانہ اور جابرانہ دربار میں علی کا مدح کرنا کیا تقیہ تھا ؟!

بس یہ ماننا پڑے گا کہ شیعہ ہر جگہ تقیہ کو روا نہیں سمجھتے ، بلکہ جہاں جائز ہو وہاں تقیہ کرتے ہیں۔

حسن بصری (ت۱۱۰ھ)اور تقیہ

یہ تابعین میں سے تھا کہتا ہے کہ تقیہ قیامت تک کیلئے جائز ھے۔ [۱] یہ ان لوگوں میں سے تھا جو صحابہ کے حالات سے واقف تھے۔اس قول کو یا ان سے سنا ہے یا اس نے اس مطلب کو قرآن سے لیا ہے ۔ [۲]

بخاری (ت۲۵۶ھ) اور تقیہ

بخاری نے اپنی مشروعیت تقیہ پر لکھي هوئي کتاب "الاکراہ" میں مختلف روایات کو دلیل کے طور پر نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کا نظریہ کیا ہے ؟ وہ اس آیہ شریفہ کو نقل کرتا ہے :

﴿ ومَن كَفَرَ بِاللهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مطْمَئِنٍ بِالْايمَانِ وَ لَاكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا

۱ـ طبری؛ جامع البیان، ج۶، ص ۳۱۶۔

۲ـ تقیہ از دیدگاہ مذاہب و فرقہ ہای اسلامی غیر شیعی، ص۱۲۶۔

﴿فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾۔ [۱]

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلے ۔۔۔۔ علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو ۔۔۔۔اور کفر کے لئے سینہ کشادہ رکھتا ہو اس کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَ مَن يَفْعَلْ ذَالِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شيءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُواْ مِنْهُمْ تُقَئةً ﴾[۲]

خبردار صاحبانِ ایمان ۔مؤمنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے ۔ [۳]

---

۱ ۔ نحل ۱۰۶۔

۲۔ آلعمران ۲۸۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاکراہ ۔

وہابی مذہب کے علمائے رجال اور تقیہ

وہابی مذہب کے علمائے رجال تقیہ کا انکار نہیں کرتے ، بلکہ واضح طور پر تمام مسلمانان عالم کے سامنے تقیہ کو بروئے کار لاتے ہیں جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے اولیاء اور صالحین کے قبور کو گرانا ، لیکن قبر مبارک پیغمبر اور ابوبکراور عمر کے قبور کو باقی رکھنا تقیہ کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے ۔ ان کا قبر پیغمبر ﷺ اور اصحاب کے قبور کو باقی رکھنا کئی ملین مسلمانوں کے دلوں کو آزار پہنچنے سے بچانا ہے اور یہی تقیہ ہے ۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ اختیاری طور پر بغیر کسی جبر و اکراہ کے جائز نہیں ۔اس بات پر سارے علماء کا اتفاق ہے کہ تقیہ صرف جبر و اکراہ کی صورت میں جائز ہے ۔یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب اسلامی کی فقہی کتابوں میں "باب الاکراہ " کے نام سے الگ باب ہے ۔

---

۱ ۔ تقیہ از دیدگاہ مذاہب و فرق اسلامی غیر شیعی، ص ۱۶۶ ۔

چوتھی فصل

جواز تقیہ کے دلائل

چوتھی فصل: جوازتقیہ کے دلائل

مقدمہ

تمام دلائل کی بررسی کرنے سے پہلے اس محل بحث کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔چنانچہ اس فصل میں درج ذیل عنوانات پر گفتگو ہوگی:

۱. شیعوں کے نزدیک تقیہ کی مشروعیت مسلمات میں سے ہے ۔ صرف ایک دو موارد میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ جائز ہے یا نہیں ۔ اور وہ بھی آئمہ معصومین سے مربوط ہے ۔ لیکن اس کے مقابلے میں اہل سنت کے نزدیک کیا تقیہ جائز ہے یا نہیں؛ بحث کریں گے ۔

۲. چونکہ ہماری بحث اہل سنت سے ہے لہذا دلائل ایسے ہوں جن کے ذریعے اہل سنت کے ساتھ استدلال کیا جاسکے ۔اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ زیادہ تر دلائل قرآن مجید، عقل اور سنت کے علاوہ اہل سنت کي کتابوں سے پیش کریں۔

۳. مشروعیت تقیہ سے مراد، اصل جواز تقیہ ہے جو وجوب ، استحباب ، مباح، اور کراہت کو بھی شامل کرتا ہے ۔

۴. مشروعیت تقیہ کے بارے میں شیعوں اور اہل سنت حضرات کے درمیان ابتدائے اسلام میں کوئی اختلاف نہیں پایاجاتا ۔کیونکہ قرآن کریم نے اسے ثابت کیا ہے ۔ اصل اختلاف شیعہ اور اہل سنت کے درمیان دو نقطوں پر ہے:

الف: کیا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ تقیہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ شیعہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

ب: اس بات کو تو سب مانتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں تقیہ جائز تھا کیونکہ اس وقت اسلام

اور مسلمانان ضعیف تھے ۔ لیکن اب چونکہ اسلام ایک قدرت مند اور عزت مند اور بڑی شان وشوکت والا دین بن چکا ہے تو کیا اب بھی تقیہ کرنا مناسب ہے ؟

انهي سوالات اور اشکالات کے جواب میں ہم قرآن ، سنت ، اجماع ، عقل اور فطرت سے استدلال کریں گے :

الف: قرآن

قرآن مجید نے کئی موقع پر تقیہ کے مسئلے کو بیان کیا ہے ؛ کبھی تقیہ ہی کے عنوان سے تو کبھی کسی اور عنوان سے اشارہ کیا ہے کہ تقیہ قرآنی احکام کے مسلمات میں سے ہے :سورہ غافر میں اس مرد مجاھد ، فداکاراور وفادارکا ذکر ہوا ہے ، جو فرعون کے دربار میں ایک خاص اور حساس مقام کا مالک ہے ۔ اور حضرت موسی علیہ السلام کے آئین پر محکم ایمان رکھنے والا ہے ، جس نے اپنے ایمان کو دل میں چھپا رکھا ہے تاکہ اپنے دوستوں کی

ضرورت کے وقت اس سے استفادہ کیا جائے ۔ جس کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾۔[1]

اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کررہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے؟ اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہو سکتی ہیں - بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا ہے ۔

یہ آیہ شریفہ مؤمن آل فرعون کی استدلالی اور منطقی بات کی طرف اشارہ ہے

---

۱ ۔ سورہ غافر / ۲۸۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

انہوں نے فرمایا: موسیٰ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور قابل مطالعہ اور اچھی دلیل بھی ساتھ بیان کررہے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

یا وہ جھوٹ بول رہے ہیں، ایسی صورت میں وہ خود رسوا اور ذلیل ہونگے اور قتل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ۔ کیونکہ قتل کرنا انہیں افکار عمومی میں ایک کامیاب اور فاتح ہیرو اور لیڈر بنادے گا ۔ اور ان کے پیچھے ایک گروہ ہمیشہ کیلئے چلنے کی کوشش کرے گا ، اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں میں زندہ رہیں اور لوگ خود ان سے دور ہو جائیں ۔

یا واقعاً وہ سچ کہہ رہےہیں اور خدا کی طرف سے آئے ہیں ، اس صورت میں جس چیز کی وہ تہدید کر رہےہیں ممکن ہے وہ واقع ہوجائے۔ ہمارا ان کے ساتھ حساب کتاب بالکل صاف ہے اس لئے انہیں قتل کرنا کسی بھی صورت میں عاقلانہ کام نہیں ہوگا۔ ان کلمات کے ساتھ لوگوں کو اور بھی کچھ نصیحتیں کی ۔ اس طرح فرعونیوں کے دل میں وحشت اور رعب ڈال دیا ، جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کے قتل کرنے سے منصرف ہوگئے ۔

قرآن اس آیہ شریفہ میں مؤمن آل فرعون کے عقیدہ کے چھپانے کو ایک اچھا اور نیک عمل بتارہا ہے، کیونکہ انہوں نے ایک بہت بڑے انقلابی رہنما کی جان بچائی اور دشمنوں سے نجات دلائی۔اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ عقیدہ کے چھپانے کے سوا کچھ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی اس مرد مجاہد کے اس عمل کو اس حساس موقع پر ایک عظیم ہدف کے بچانے کی خاطر فداکاری اور جہاد کے علاوہ کچھ اور کوئی نام دے سکتا ہے ؟!

کیا کوئی اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ اگر یہ مرد مؤمن تقیہ کی اس تکنیک سے استفادہ نہ کرتے تو حضرت موسی علیہ السلام کی جان خطرے میں پڑجاتی۔

حضرت ابراھیم تقیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ فَرَاغَ إِلَى آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ فَرَاغَ

عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴾۔ (۱)

پس وہ اپنی قوم سے کہنے لگے: میں بیمار ہوں اور میں تمہارے جشن میں نہیں آسکتا۔ قوم نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی بت خانے کو خالی پایا ؛بتوں کو توڑنے کی نیت سے چلے اور تمام بتوں کو مخاطب کرکے کہا: تم لوگ اپنے بندوں کے رکھے ہوئے کھانوں کو کیوں نہیں کھاتے ہو؟ بات کیوں نہیں کرتے ہو؟ تم کیسے بے اثر اور باطل خدا ہو؟! پھر ایک مضبوط اور محکم کلہاڑی اٹھائی اور سب بتوں کو توڑ ڈالا سوائے ایک بڑے بت کے۔

ان آیات اور روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم بتوں کو توڑنے کا ایک وسیع اور دقیق پروگرام بنا چکے تھے ، اور اس پروگرام کا اجراء کرنے کیلئے ایک خاص اور مناسب موقع اور فرصت کی تلاش میں تھے۔ یہاں تک کہ وہ وقت اور عید کا دن آگیا اور اپنا کارنامہ انجام دیا ۔ یہ دن دو لحاظ سے زیادہ مناسب تھا کہ ایک تو سب لوگ شہر سے دور نکل چکے تھے جس کی وجہ سے اپنا کام صحیح طریقے سے انجام دے سکتے تھے اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو چونکہ تہوار کے ختم ہونے کے بعد بت خانے میں عبادت کیلئے آنا تھا، لہذا لوگوں کے افکار اور احساس کو بیدار کرنے اور ان کو نصیحت

---

۱ ۔ سورہ صافات / ۸۹ ۹۳۔

کرنے کیلئے یہ دن اور وقت زیادہ موزوں تھا ۔ اور آپ کا یہ کام اس بات کا باعث بنا کہ لوگ سوچنے لگے اور شہر بابل والے ظالم و جابر حکمرانوں کے چنگل سے آزاد ہو گئے ۔

لوگوں کو آپ پر شک تو ہو چکا تھا لیکن آپ نے اپنے عقیدے کو مکمل طور پر چھپا رکھا تھا اور لوگوں کے دعوت کرنے پر کہا کہ میں بیمار ہوں ۔: فقال اني سقيم۔ جبکہ آپ کے جسم مبارک پر کوئی کسی قسم کی بیماری موجود نہیں تھی ۔ لیکن آپ نے اپنے اس عظیم ہدف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر توریہ کیا ، کیونکہ آپ کی بیماری سے مراد روحانی بیماری تھی جو کہ آپ لوگوں کا خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے کی وجہ سے محسوس کر رہے تھے ۔

۳ تکنیکی تقیہ کے موارد میں سے ایک مورد حضرت مسیح کی جانب سے بھیجے ہوئے مبلغین کی داستان ہے جو انطاکیہ شہر کے لوگوں میں بھیجے گئے تھے ۔جن کے بارے میں فرمایا:

﴿ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ

فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿ [1]

اس طرح کہ ہم نے دو رسولوں کو بھیجا تو ان لوگوں نے جھٹلادیا تو ہم نے ان کی مدد کو تیسرا رسول بھی بھیجا اور سب نے مل کر اعلان کیا کہ ہم سب تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

اس ماجرے میں ان دونوں شخص کو انطاکیہ کے بت پرستوں کے اصولوں کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے انطاکیہ کے بادشاہ نے جیل میں ڈالدیا۔ اور کوئی تبلیغی نتیجہ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن تیسرے شخص کو، جو ان دونوں کی مدد کیلئے آئے تھے ناچار اپنا مبارزہ اور ان کے ساتھ مقابلہ کا راستہ تبدیل کرنا پڑا ۔پہلے اپنا عقیدہ چھپاتا رھا۔ تاکہ اپنی تدبیر، فصاحت و بلاغت کے ساتھ حکومت کے امور میں مداخلت کر سکے ۔ اس کے بعد ایک مناسب فرصت اور موقع کا انتظار کرتے رہے تاکہ اپنے دوستوں کو نجات دلا سکے ۔اور اس شہر کے لوگوں میں اخلاقی، اجتماعی اور فکری انقلاب برپا کرسکے۔ اتفاقاً دونوں ہدف حاصل ہوئے کہ قرآن

۱۔ سورہ یس ۱۴۔

کریم نے اسے یوں تعبیر کیا ہے : "﴿ عززنا بثالث ﴾" ہم نے اس تیسرے شخص کے ذریعے ان دونوں کی مدد کی اور ان کو عزت اور قوت بخشی ۔

اب سوال یہ ھے کہ کیا حضرت ابراھیم کا اپنا اعلیٰ ہدف کو چھپا رکھنا ترس اور خوف و ہراس کی وجہ سے تھا؟ یا اس اعلیٰ اور عظیم ہدف کو حاصل کرنے کیلئے مقدمہ سازی تھی؟!

کیا عیسي مسیح علیہ السلام کی طرف سے بھیجے ہوئے تیسرے شخص بھی اپنے دوستوں کی طرح تلخ تجربات کے مرتکب ہوتے؟ اور خود کو بھی زندان میں ڈلوا دیتے ؟!یا یہ کہ روش تقیہ سے استفادہ کرکے تینوں دوستوں کو دشمن کے قید اور بند سے رہائی دلاتے؟!!

ان آیات سے بخوبی معلوم ہوتاہے کہ تقیہ کا ہدف اور فلسفہ کیا ہے اور اس کا صحیح مفہوم کیا ہے ؟[1]

۱۔ مکارم شیرازي؛ تقیہ سپري عمیقتر براي مبارزہ، ص ۳۵۔

کیا تقیہ سے انکار ان آیتوں کا انکار نہیں؟!

شیعہ، تقیہ کا انکار کرنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر تقیہ جائز اور درست نہیں ہے تو ان آیات مبارکہ کا کیا کرو گے ؟ کیا ان آیات کیلئے کوئی شأن نزول نہیں ہے ؟ یا اہل قرآن کیلئے ان آیات کے ذریعے کوئی حکم بیان نہیں ہورہا ؟

اگر یہ آیتیں کوئی شرعی تکلیف کو معین نہیں کرتیں تو نازل ہی کیوں ہوئیں؟ لیکن اگر کوئی شرعی حکم کو معین کرتی ہیں تو یہ بتائیں کہ وہ احکام کیا ہیں؟آیات شریفہ جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں ، درج ذیل ہیں:

﴾ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَ تَقْتُلُونَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبىّ‌َ اللهُ وَ قَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَتِ مِن رَّبِّكُمْ
وَ إِن يَكُ كَذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَ إِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِى يَعِدُكُمْ إِنَّ اللهَ لَا يهَدِى مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ
يَاقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فىِ الْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِن بَأْسِ اللهِ إِن جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ

مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَ مَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴾ ۔[1]

اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کررہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر بھی نازل ہوسکتی ہیں - بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا ہے ۔میری قوم والو بیشک آج تمہارے پاس حکومت ہے اور زمین پر تمہارا غلبہ ہے لیکن اگر عذاب خدا آگیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا ؟فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی باتیں بتارہا ہوں جو میں خود سمجھ رہا ہوں اور میں تمہیں عقلمندی کے راستے کے علاوہ اور کسی راہ کی ہدایت نہیں کررہا ہوں۔

﴿ لا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكافِرِينَ أَوْلِياءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنينَ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ

۱۔ سورہ غافر ۲۸ ۲۹۔

إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقاةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ وَ إِلَى اللهِ الْمَصيرُ ﴾۔ [1]

خبردار! اے ایمان والو!مؤمنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

﴿ مَن كَفَرَ بِاللهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنُّ بِالْايمَانِ وَ لَاكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾۔ [2]

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرے (اس کے لئے سخت عذاب ہے) بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے دل کھول کر کفر اختیار کیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

---

۱ ۔ سورہ آلعمران۲۸۔

۲ ۔سورہ نحل ۱۰۶ ۔

ان آیات کریمہ سے تقیہ کی مشروعیت ثابت ہوگئی اب بات یہ ہے کہ اہل سنت کو کسی بھی دور میں تقیہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کیونکہ وہ لوگ ہر دور کے حکمرانوں خواہ وہ ظالم وجابر ہی کیوں نہ ہوں ان کے خلاف کبھی کوئی آواز نہیں اٹھاتے بلکہ انہیں اولی الامر مانتے اور ان کی اطاعت کرتے لیکن اس کے برخلاف اہل تشیع نے کسی دور میں بھی حاکم وقت کو اولی الامر نہیں مانا بلکہ ظالم و جابر حمکرانوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے جو ان حکمرانوں کے لئے قابل تحمل نہیں تھا جس کی بناء پر حکمران ،شیعیان امیرالمؤمنین ؑکی جان و مال کے درپے رہے جس کی وجہ سے شیعیان علی ؑتقیہ کرنے پر مجبور ہوتے رہے۔

ب: سنت

ہر دور میں، تقیہ کو کامیابی کا راز تصور کیا جاتارہا ہے ۔ آپ کی تقریب ذہن کیلئے ہم کچھ مثالیں بیان کریں گے :

۱۔تقیہ، پیغمبر علیہ السلام کی تدبیر

پیغمبر اسلام (ص) کی شہامت ، شجاعت او رتدبیر کو سب دوست اور دشمن تسلیم کرتے ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تین سال تک "مخفیانہ دعوت "کرنا اور"مخفیانہ ھجرت "کرنا کہ جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے محاصرہ سے نکلنے میں کامیاب ہونا، اس کے بعدمدینہ تشریف لانے تک غار ثورمیں مخفی رہنا اور رات کی تاریکیوں میں چلنا اوردن کو مخفی رہنا ، یہ سب تقیہ کے اعتقادی یا عملی مصادیق میں سے ہیں ۔

۲ ۔تقیہ، اعلیٰ اھداف کے حصول کا ذریعہ

کیا کوئی شخص ایسے مسائل میں تقیہ کے اصولوں کا بروئے کار لانے کو نقطہ ضعف یا ترس یا محافظہ کاری کہہ سکتا ہے؟!

امام حسین علیہ السلام کہ جس نے تقیہ کے سارے نمونے کو پیروں تلے روند ڈالے، لیکن جب بھی ضرورت محسوس کی کہ مقدس اور ابدی اہداف کے حصول اور ظلم و ستم، کفر و بے ایمانی اور ساری جہالت کے خاتمے کیلئے تقیہ کرتے ہوئے مکہ معظمہ سے نکلے جب کہ سارے مسلمان اعمال حج انجام دینے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اور اس کی وجہ بھی خود امام حسین علیہ السلام نے بیان فرمائی تھی: اگر میں چیونٹی کی بل میں بھی چھپ جاؤں تو یہ لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال کر شہید کردیں گے۔ اور اگر مکہ میں ٹھہر جاؤں تو حرم الہی کو میرے خون سے رنگین کریں گے اور خانہ کعبہ کی بھی بے حرمتی کریں گے۔

تو اہل انصاف سے ہم یہی سوال کریں گے کہ امام حسین علیہ السلام کا اس موقع پر تقیہ کرنا کیا عقل انسانی کے خلاف تھا؟ یا عین عاقلانہ کام تھا؟!

۳۔ جنگ موتہ میں تقیہ کا کردار

جنگ "موتہ" کے میدان میں مجاہدین اسلام کے صفوںمیں کچھ اس طرح سے ترتیب دینا جو امپراتوري روم کے لاکھوں افرادپر مشتمل فوج کے ذہنوں میں تزلزل پیدا کرے اور نفسیاتی طورپر انہیں مفلوج کرے جو مسلمانوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ تھی ، اور یہ بہت مؤثر بھی رہا ۔

۴۔ فتح مکہ میں تقیہ کا کردار

پیغمبر اسلام (ص) نے مکہ فتح کرنے کی خاطر نہایت ہی مخفیانہ طورپر ایک نقشہ تیار کیا ؛یہاں تک کہ اپنے قریبی صحابیوں کو بھی پتہ چلنے نہیں دیا ۔ جس کے نتیجے میں مسلمان فتح مکہ جیسی عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئے ۔اسی طرح بہت سے مواقع پر تقیہ کے اصولوں پر عمل کرکے فوجی طاقتوں اور اسلحوں کی حفاظت کی ۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں خصوصاً ملکی حفاظت کرنے والوں کا سب سے پہلا اصول تقیہ اور کتمان ہے کہ دشمنوں سے ہر چیز کو چھپایا جائے تاکہ وہ ہم پر مسلط نہ ہوں ۔ اس لئے جو بھی تقیہ کرنے پر اعتراض کرتا ہے وہ در اصل تقیہ کے مفہوم اور معنی سے واقف نہیں یا کسی ایک خاص مکتب کو دوسرے مکاتب فکر کے سادہ لوح افراد کے سامنے متنفر کرنے کیلئے اس قرآنی اور عقلانی اصول کی اصل اور حقیقی شکل و صورت کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے ۔ ہم اس سے کہیں گے کہ آپ کسی مکتب کی اہانت نہیں کر رہے ہو بلکہ در آپ اصل میں قرآن مجید کا مزاق اڑا رہے ہو۔

۵ ۔ تقیہ دشمنوں کے مقابلے میں دفاعی وسیلہ

مجاہدین دشمنوں کے شر سے بچنے کیلئے تقیہ بروئے کار لاتے ہیں تاکہ اس تکنیک کے ذریعے دشمن کو غافل گیر کر کے مغلوب بنایا جائے ۔ اور میدان جنگ میں خود کامیابی سے

ہمکنار ہوسکیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ گوشہ نشین افراد اور ڈرپوک اور غیر متعہد اور عافیت آرام طلب افراد کا شیوہ نہیں ہے بلکہ یہ مجاہدین اسلام اور محافظین دین کا شیوہ ہے ۔ پس تقیہ بھی ایک طرح کی جنگ اور جہاد ہے ۔ اور یہ تقیہ خود وزارت دفاع اور ملکی حفاظت کرنے والوں کی طاقت شمار ہوتا ہے ۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

التقیه من افضل اعمال المؤمن یصون بها نفسه و اخوانه عن الفاجرین۔[1]

تقیہ مؤمن کی افضل ترین عباد‌توں میں سے ہے ،جس کے ذریعے فاسق اور فاجر طاقتوں کی شر سے وہ اپنی جان اور اپنے دوسرے بھائیوں کی جان بچاتا ہے ۔

٦ ۔تقیہ مؤمن کی ڈھال ہے

قال الباقر: اي شيئ اقر للعين من التقية؟ ان التقية جنة المؤمن [2]

---

١ ۔ وسائل الشیعہ ، ج ٣،باب ٢٨۔

٢۔ وسائل الشیعہ ، ج ٢۴ ، باب ٢۶۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: کونسی چیز تقیہ سے زیادہ مؤمن کیلئے سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے ؟! بے شک تقیہ مؤمن کی ڈھال ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

التقية ترس المؤمن و التقية حرز المؤمن۔[۱]

بے شک تقیہ مؤمن کیلئے ڈھال اورقلعہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو دشمن کی شر سے بچاتا ہے ۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ ایک دفاعی مفہوم رکھتا ہے جسے اپنے دشمن کے مقابلے میں بروئے کار لایا جاتا ہے ۔زرہ کا پہننا اورڈھال کا ہاتھ میں اٹھانا مجاہدین اور سربازوں کا کام ہے ۔ ورنہ جو میدان جنگ سے بالکل بے خبر ہو اور میدان میں اگر جائے تو فرار کرنے والا ہو تو اس کیلئے زرہ پہننے اورڈھال کے اٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟!

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، باب۲۴۔

۷۔ تقیہ پیغمبروں کی سنت

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:عليك بالتقيه فانها سنت ابراهيم الخليل۔[1]

تم پر تقیہ کرنا ضروری ہے کیونکہ تقیہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے ۔ اور ابراہیم وہ مجاہدہیں جنہوں نے اکیلے ظالم و جابر نمرود کے ساتھ مقابلہ کیا ۔ نہ صرف اس کے ساتھ بلکہ تمام متعصب اور لجوج بت پرستوں کے ساتھ مبارزہ کیا ؛ اور ہر ایک کو عقل اور منطق اور اپنی بے نظیر شجاعت کے ساتھ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا ۔ ان کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کئی مقام پر تقیہ کرکے اپنی جان بچائی ہے ۔ لیکن کیا کوئی ابراہیم علیہ السلام پر مصلحت اندیشی کا الزام لگا سکتا ہے ؟ہرگز نہیں۔ اس لئے تقیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے عنوان سے بھی معروف ہے ۔

۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، باب۲۴ ۔

۸ ۔ تقیہ، مجاھدوں کا مقام

امام حسن العسکري علیہ السلام سے منقول ہے:

مثل مؤمن لا تقية له كمثل جسد لا راس له ۔[1]

وہ مؤمن جو تقیہ نہیں کرتا وہ اس بدن کی طرح ہے جس پر سر نہ ہو۔اور سر کے بغیر بدن کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی کیونکہ باقی جسمانی تمام تر فعالیت سر سے وابستہ ہے ۔

اور بالکل یہی تعبیر "صبر و استقامت" کے بارے میں آئی ہے کہ ایمان بھی بغیر صبر و استقامت کے بغیر سر کے بدن کی طرح ہے ۔ان تعبیرات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تقیہ کا فلسفہ وہی صبر و استقامت کا فلسفہ ہے اور تقیہ کے ذریعے اپنی طاقت اور اسلحہ کا بندوبست اور ان کی حفاظت کي جاتی ہے ۔

۱۔ وسائل الشیعہ ،ج ۱۶، باب ۲۴۔

۹ ۔ تقیہ، مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت

تقیہ کا مسئلہ اور مسلمان بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی دو ایسے فریضے ہیں جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ ہی قرار دیا گیا ہے ۔

امام حسن العسکري علیہ السلام نے فرمایا :

و أعظمُهما فرضانِ : قضاءُ حقوقِ الاخوانِ في اللهِ و استعمالُ التقيهِ من اعداءِ اللهِ۔ (۱)

تمام فرائض میں سے اهم ترین فریضہ دو ہیں:

- اپنے دینی بھائیوں کے حقوق کا ادا کرنا ۔
- اور اللہ کے دشمنوں کے سامنے تقیہ کرنا۔

۱ ۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۶، باب ۲۸، ح ۱۔

اس تعبیر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقیہ ان دو چیزوں کے درمیان ایک قسم کا رابطہ قائم کرنا ہے ۔ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تقیہ کا مسئلہ دوسرے مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرح ایک اجتماعی مسئلہ ہے ۔

ج۔ عقل

معمولاً تقیہ اقلیتوں سے مخصوص ہے جو اکثریت کے پنجوں میں اسیر ہوجاتے ہیں ایسی صورت میں اگر وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہیں تو اس کے لئے جانی یامالی نقصان کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ اور ساتھ ہی اس اقلیت والے گروہ کے ہاں موجود قومی سرمایہ اور طاقت کا ہدر جانے کے علاوہ اسے کچھ نہیں ملتا ۔

کیا عقل نہیں کہتی کہ یہ قومی سرمائے اور طاقت کا اہم ضرورت کے موقعوں کے لئے محفوظ رکھنا ایک عاقلانہ اور اچھا کام ہے ؟ بلکہ عقل کہتی ہے کہ اپنے عقیدے کو چھپا کر ان طاقتوں کو ذخیرہ کیا جائے تاکہ انہیں مناسب فرصت اور مواقع پر بروئے

کار لایا جاسکے ۔

مثال کے طورپر: کوہستانی علاقوں اور دیہاتوں میں مختلف جگہوں سے پانی کے چھوٹے چھوٹے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اگر ان کو ایک تالاب میں جمع کریں گے تو اس سے بہت بڑے مزرعے کو سیراب کرسکتے ہیں، لیکن اگر ان کو اسی طرح بہنے دیں تو کھیتوں کو سیراب کئے بغیر پانی ضائع ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے زیندار ان چشموں کے نزدیک تالاب بنا کر پانی کو جمع کرتے ہیں تاکہ بیج بوتے وقت زمین کو سیراب کر سکیں۔ جب کہ اس سے قبل سارا پانی ضائع ہو جاتا تھا ۔ تقیہ بھی اسی طرح ہے کہ جس کے ذریعے اپنی اور اپنی قوم و ملت کے سرمائے اور جان کی حفاظت کی جائے تاکہ مناسب موقع پر اس سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے۔جو ایک عاقلانہ کام ہے۔

۱۔دفع ضرر

عقل بتاتی ہے کہ دفع ضرر واجب ہے ؛ اور تقیہ ایک ایسی تکنیک ہے کہ جس کے ذریعے

انسان جانی یا مالی ضرر کو اپنے سے اور اپنے دوسرے هم فکر افراد سے دفع کر سکتا ہے ۔اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں :

فقد قضي العقل بجواز دفع الضرر بها (بالتقيه) بل بلزومه و اتفق عليها جميع العقلاء: بل هو امر فطري يسوق الانسان اليه قبل كل شيئ عقله و لبه و تدعوه اليه فطرته۔ [1]

عقل تقیہ کے ذریعے دفع ضرر کو جائز قرار دیتی ہے بلکہ اس کے واجب ہونے پر تمام فقہاء اور عقلاء کا اتفاق ہے ۔اور اس سے بھی بالاتر یہ ایک فطری عمل ہے کہ جو انسان کو اس کی فطرت اور عقل سب سے پہلے تقیہ کے ذریعے اپنی جان اور مال کی حفاظت کرنے پر ابھارتا ہے ۔اور یہ غریزہ ہر انسان اور حیوان میں پایا جاتا ہے ۔

۲ مہم پر اہم کا مقدم کرنا

فالعقل السليم يحكم فطريا بانه عند وقوع التزاحم بين الوظيفة الفرديه مع شوكة

---

۱ ۔ جعفر سبحاني؛ مع الشيعه الاماميه في عقائدهم، ص ۸۹۔

الاسلام و عزته و قوته او وقوع التزاحم بين الحفظ النفس و بين الواجب او محرم آخر لابد من سقوط الوظيفة الفرديه و ليست التقيه الا ذالك۔ (۱)

عقل سلیم کا فطری حکم ایسا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے فریضے کی انجام دہی کے موقع پر اسلام کی قدرت ، شان وشوکت اور عزت کے ساتھ مزاحم ہوجاتا ہے ۔ یا اپنی جان بچانے کا وقت آتا ہے تو یہ کسی واجب یا حرام کام کا ترک کرنے یا انجام دینے پر مجبور ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں اہم کو انتخاب کرتے ہوئے مہم کو ترک کرنے کا نام تقیہ ہے ۔ اس استدلال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ :

ان العقل يري ان احكام الدين انما شرعت لسعادة الانسان في حياته الي الابد، فاذا كانت هذه السعادة و ادانت الاكام متوقفة و الاخفاء عن الاعداء في فترة من الزمن فالفعل يستقل بالحكم بحسن التقية لقديما للاهم علي المهم۔ (۲)

۱۔ صادق ، روحاني؛فقه الصادق ،ج ۱۱ ، ص۳۹۳۔

۲۔ محمد علي،صالح المعلم؛ التقيه في فقه اهل البيت،ج ۱، ص۶۶۔

عقل بتاتی ہے کہ احکام دین کو انسان کی ابدی خوش بختی کیلئے تشریع کیا ہے ۔ لیکن اگر یہی خوش بختی اور احکام دین پر عمل کرنا کچھ مدت کیلئے اپنے جانی دشمنوں سے چھپانے پر مجبور ہو تو عقل، تقیہ کرنے اور اہم کام کو مہم کام پر مقدم کرنے کو ایک اچھا اور مناسب عمل سمجھے گی ۔

اگر ان بیانات کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہیں تویوں کہہ سکتے ہیں :جب بھی انسان یا مکلف دو کاموں کو انجام دینے پر مجبور ہو ؛ لیکن ان دوکاموں میں سے صرف ایک کو فی الحال انجام دے سکتا ہو ۔ اب وہ سوچتا ہے کہ کس کام کو انجام دوں اور کس کام کو چھوڑ دوں ؟! اگر وہ عاقل اور سمجھدار ہو تو وہ جس میں مصلحت زیادہ ہوگی اسے انجام دے گا اور جس کام میں مصلحت کم ہوگی اسے ترک کرے گا اسی کا نام تقیہ ہے ۔

د: فطرت

اگر صحیح معنوں میں فکر کریں تو معلوم ہوگا کہ تقیہ سراسر عالم حیات کے قانون

کی اساس اور بنیاد ہے ۔ اور تمام زندہ مخلوقات اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان بچانے کی خاطر اس اصول سے استفادہ کرتی ہیں ۔ جیسے بحری حیوانات جب احساس خطر کرتے ہیں تو وہ اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے جسم پر موجود خاص تھیلیوں سے استفادہ کرتے ہیں کہ جس میں ایک کالے رنگ کا ایک غلیظ مادہ ہوتا ہے جسے وہ اپنے اطراف میں پھیلا دیتے ہیں جیسے آنسو گیس استعمال کر کے اس جگہ سے دور ہو جاتے ہیں ۔

اسی طرح بہت سے حشرات ہیں جو اپنے جسم کو پروں اور بالوں کے ذریعے اس طرح چھپاتے ہیں کہ بالکل اس شاخ کے رنگ و روپ میں بدل جاتے ہیں اور جب تک غور نہ کریں نظر نہیں آتے ۔ بعض جاندار ایسے ہیں جو مختلف موقعوں پر اپنا رنگ بھی اسی محیط کے رنگ و روپ میں تبدیل کرتے رہتے ہیں ، اور اس حیران کن دفاعی سسٹم کے ذریعے جانی دشمن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، تا کہ اپنی جان بچا سکیں ۔

بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو خطرے کی صورت میں اپنے جسم کو بالکل بے حس و حرکت بناتے ہیں تاکہ دشمن کو دھوکہ دے سکیں ۔

خلاصہ کلام یہ ہے جو بھی تقیہ کے مسئلہ کو شیعوں کا مسئلہ قراردیتے ہوئے اعتراضات کرتے ہیں، حقیقت میں وہ تقیہ کے مفہوم اور معنی سے واقف نہیں ہیں، یا واقف تو ہیں لیکن شیعوں کو دیگر مکاتب فکر یا سادہ لوح عوام کی نگاہوں میں گرانے کی خاطر اس فطری اور عقلانی اصول یا سسٹم سے انکار کرتے ہیں ۔
ان مطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کا سسٹم تمام مکاتب فکر میں کم و بیش پایا جاتا ہے ۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ ہمیشہ نیک اور صالح افراد جو کہ تعداد کے لحاظ سے تھوڑے ہیں ، ان جنایت کار اور ظالم افراد جو کہ تعداد کے لحاظ سے زیادہ ہیں ، سے تقیہ کرتے آئے ہیں ؛ تاکہ اس تکنیک یا سسٹم کے ذریعے اپنی جان ، مال عزت ، آبرو اور ناموس ، کی حفاظت کرسکیں ۔ (۱)

---

۱ ۔ مکارم شیرازي؛ تقیہ سپري عمیقتر، ص۲۲۔

٥: اجماع

جنگي نقشے بھی ہمیشہ مخفیانہ طورپر بنائے جاتے ہیں جنگجو افراد ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ خود کو دشمن کی نظروں سے چھپائے رکھتے ہیں ، اور اپنا جنگی سامان اور اسلحے کو میدان جنگ کے گوشہ و کنارمیں درخت کے پتوں یا کیچڑوں اور مٹی مل کر چھپاتے ھیں ، اسی طرح فوجیوں کی وردیاں بھی کچھ اسطرح سے پہنائی جاتی ہیں کہ میدان جنگ میں آسانی کے ساتھ دشمنوں کی نظروں میں نہ آئیں ۔یا کبھی جنگجو افراد مصنوعی دھواں چھوڑکر دشمن کوغافل گیر کرتے ہیں ۔یا رات کی تاریکی میں ایک جگہ سے دوسري جگہ نقل مکاني کرتے ہیں ۔

اسی طرح جاسوس اور اطلاعات والے جب دشمن کے علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ اس علاقے کے لوگوں کے لباس اور ماحول اور فرہنگ میں اپنے آپ کو ضم کرتے ہیں ۔ اگر غور کریں تو یہ سب امور تقیہ کے مختلف شکلیں ہیں ۔جنہیں بروئے کار لاتے ہوئے دشمن

پر فتح و کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ [1]

اداری اور دفتری کاموں میں خواہ وہ سیاسی امور ہو یا اقتصادی یا معاشرتی ، مختلف مقاصد کے حصول کیلئے رموز کا استعمال کرنا ، یہ سب اس سسٹم کی مختلف شکلیں ہیں ،جسے کوئی بھی عاقل انسان رد نہیں کرسکتا ۔ بلکہ سب ان کی تائید کریں گے ۔ اگر ایسی صورت میں جبکہ دشمن اس کے مقابل میں ہو اور وہ اپنی شجاعت دکھاتے ہوئے آشکار طور پر دشمن کے تیروتلواروں یا گولیوں کے زد میں نکلے تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہیئے۔

یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ تقیہ ہر مکتب فکر والوں میں موجود ہے جس کے ذریعے ہی قومی سرمایہ اور عوام کی جان اور مال اور ملکی سالمیت کی حفاظت ممکن ہے ۔

---

١ ـ مکارم شیرازي؛ تقیه سپري عمیقتر، ص ١٨۔

پانچویں فصل

وجوب و تحریم تقیہ کے موارد اوران کا فلسفہ

پانچویں فصل:

وجوب و تحریم تقیہ کے موارد اوران کا فلسفہ

وہ موارد جہاں تقیہ کرنا واجب ہے

وجوب تقیہ کے موارد اور ان کے اہداف کو باہم تحقیق کریں گے ۔ کیونکہ یہ دونوں (وجوب و ھدف)ایک دوسرے سے مربوط ہیں ۔ اگر تقیہ کے اصلی موارد کو.بیان کریں توہدف اصلی بھی خود بخود واضح ہوجاتا ہے ۔بطور خلاصہ تقیہ کو کئی اہداف کی خاطر واجب جانا گیا ہے :

۱ـ طاقت کی محافظت کرنا

کبھی انسان کیلئے ایسا موقع پیش آتا ہے کہ جہاں اپنا عقیدہ اگر عیاں اور آشکار کرے تو بغیر کسی فائدے یا اپنے اہداف سے قریب ہونے کی بجائے اس شخص یا اور کئی افراد کی جان نابود یا ناقابل تلافی نقصان کا شکار ہو سکتی ہے ۔ ایسے مواقع پر عقل اور منطق حکم دیتی ہیں کہ احساسات میں بے دلیل گرفتار ہوکر اپنی طاقت کو ضائع کرنے سے باز آئیں ۔ بلکہ آئندہ کیلئے ذخیرہ کریں ؛ تاکہ قدرت و طاقت اس قدر زیادہ ہوجائے جس کے ذریعے اپنا عظیم ہدف تک رسائی ہو سکے ۔ کیونکہ کسی بھی شخص میں اتنی وافر مقدار میں قدرت یا طاقت نہیں ہے کہ جنہیں کھلے دل و دماغ سے ہاتھ سے جانے دیں ۔

کبھی ایک لائق اور مفید شخص کی تربیت کیلئے کئی سال ایک معاشرے کو زحمت اٹھانی پڑتی ہے اور وہ اپنی طاقت کو خرچ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے ۔ تو یہ کیسے ممکن هے کہ اپني ذمہ داري کا احساس نہ کریں ؟!

مخصوصا ًایسے معاشرے میں جہاں اچھے اور نیک انسانوںمیں افرادي قوت اور طاقت بہت کم ہو ؟

یہی وجہ تھی کہ اسلام کے شروع میں پیغمبر نے تقریباً تین سال اپنا عقیدہ سوا ے ایک خاص گروہ کے دوسرے لوگوں سے چھپائے رکھا ۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں میں افرادی قوت میں اضافہ ہوتا گیا ،یہاں تک کہ تقیہ کی بندش تین سال بعد ٹوٹنے لگی اور آپ اسلام کی طرف علی ٰالاعلان لوگوں کو دعوت دینے لگے ۔ لیکن پھر بھی آپ کے اوپر ایمان لانے والوں کی تعداد کم تھی جوکہ دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہوجاتے اور قسم قسم کی اذیتیں اور آزار برداشت کرنا پڑتیں ۔اور ایک معمولی بات پر مسلمان قتل کردئے جاتے تھے ۔ تو پیغمبر اسلام ﷺ ایسے افراد کو تقیہ کرنے کی اجازت دیتے تھے ۔تاکہ اپنی دفاعی طاقت اور قوت کو اس نو مولود مکتب کی حفاظت کی خاطر محفوظ کرلیں اور بیہودہ اور بے ہدف اور بے دلیل اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں ۔

۲۔ پروگرام کو چھپانا

چونکہ تقیہ زیادہ ترنیک اور صالح افراد جو تعداد کے لحاظ سے کم ہیں، ان سے مربوط ہے تاکہ وہ اس ظالم اور جابر گروہ کے شر سے اپنے دین یا جان یا ناموس کو بچائیں ۔یہ بھی معلوم ہے کہ اقلیت اپنی زندگی کو جاری رکھنے اور عالی ہدف تک جانے کیلئے تقیہ کے طور و طریقے سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں ۔ ورنہ اگر اکثریت کے سامنے اپنا عقیدہ برملا کرے تو وہ لوگ مزاحمت کرنے لگیں گے ۔اس لئے مجبور ہیں کہ اپنے عقائد، پروگرام اور دیگر کاموں کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھنے کیلئے تقیہ کرلیں ۔اس قسم کا تقیہ ظہور اسلام کے وقت بہت زیادہ پایا جاتا تھا ۔

ھجرت پیغمبر کانقشہ کہ جو انقلاب اسلامی کی تکمیل اور کامیابی کا پہلا قدم تھا ،آپ کا مخفیانہ طورپر نکلنا اور امیر المؤمنین علیہ السلام کا بستر پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جا کر آرام کرنا اور آنحضرت کا رات کی تاریکی میں غار حرا کی طرف حرکت کرنا اور اس غار میں کئی دن تک ٹھہرنے کے بعد مدینہ کی طرف مخالف سمت میں چلنا ،وغیرہ اسی تقیہ کی قسموں

میں سے ہے ۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان موقعوں پر تقیہ کرنا واجب ہے یا نہیں ؟!

کیا اگر پیغمبر اور مسلمان اپنا عقیدہ اور فکر کو دشمن سے نہیں چھپاتے تو کیا کامیابی ممکن تھی؟!

کیا ایسے موارد میں تقیہ کرنا ہی اپنی کامیابی اور دشمن کی نابودی کا سبب نہیں ہے ؟

اسی طرح اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تقیہ کیا تھا ، عرض کرچکا ، جو اگر اپنا عقیدہ نہ چھپاتے اور توریہ نہ کرتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ لوگ انہیں اکیلا شہر میں رکنے دیتے ؟ ہرگز نہیں ۔ اس صورت میں آپ کو بت خانے کی طرف جانے کی فرصت بھی کہاں ملتی؟! لیکن آپ نے جو اپنا عقیدہ چھپایا اور جو نقشہ آپ نے تیار کیا ہوا تھا اسے اپنی انتہا کو پہنچانے کیلئے تقیہ ہی سے کام لیا۔ اور یہی آپ کی کامیابی کا راز بنا۔

ان تمام روایتوں میں تقیہ کو ایک دفاعي سپر یا ڈھال « جنّة المؤمن، ترس

المؤمن،حرز المؤمن» کہا گیا ہے جس کے ذریعے اپنی جان اور دوسروں کی جان بچائی جاتی ہے۔

۳ دوسروں کی حفاظت کرنا

کبھی اپنے عقیدے کا اظہار کرنا اپنے اثر رسوخ کی وجہ سے اپنی ذات کیلئے تو کوئی ضرر یا ٹھیس پہنچنے کا باعث نہیں بنتا، لیکن ممکن ہے یہی دوسروں کیلئے درد سر بنے ۔ ایسی صورت میں بھی عقیدہ کا اظہار کرنا صحیح نہیں ہے ۔

اهل بیت اطہار کے بعض اصحاب اور انصار کی حالات زندگی میں ایسے موارد دیکھنے میں آتےہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالم و جابر حکمرانوں کی طرفسے لوگ ان کا پیچھا کررہے تھے ، ان کا اپنے اماموں سے ملنا جابر حکمرانوں کا ان کی جانی دشمنی کا باعث بنتا تھا۔ان میں سے کچھ موارد یہ ہیں :

ایک دن زرارہؒ نے جو امام باقراور امام صادق علیہ السلام کے خاص صحابیوں میں سے تھے؛ امام جمعہ کو امام کی طرف سے ایک خط پہنچایا، جس میں امام نے جو لکھا تھا اس کا مفہوم یہ تھا: میری مثال حضرت خضر علیہ السلام کی سی ہے اور تیری مثال اس کشتی کی سی ہے جسے حضرت خضر علیہ السلام نے سوراخ کیا تاکہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے۔ اور تیرے سرپر ایک ظالم اور جابر بادشاہ کھڑا ہے، جو کشتیوں کو غصب کرنے پر تلا ہوا ہے، جس طرح حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کو سوراخ کیا تاکہ غاصب اس کو نہ لے جائے، اسی طرح میں بھی تمہیں محفلوں میں کبھی کبھی ڈراتا اور مذمت کرتا رہوں گا، تاکہ تو فرعون زمان کے شر سے محفوظ رہے۔

تقیہ کے حدود کو سرکرنے والوں کے سردار امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

انّ التقية يصلح الله بها امّة لصاحبها مثل ثواب اعمالهم فان تركها اهلك امّة تاركها شريك من اهلكهم۔ [1]

---

١ ۔ وسائل الشیعہ، ج۴، باب ٢٧۔

ایسا تقیہ کرنے والاجوامت کی اصلاح کا سبب بنے تواسے پوری قوم کے اچھے اعمال کاثواب دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قوم کی طاقت اور قوت کو زیادہ خدمت کرنے کیلئے اس نے محفوظ کیا۔ لیکن اگرایسے مواردمیں تقیہ کوترک کرے اور ایک امت کو خطرے میں ڈالے توظالموں کے جرم میں یہ بھی برابر کا شریک ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مواردمیں تقیہ کا ترک کرنے والا قاتلوں کے جرم میں برابر کا شریک بنتا ہے۔[۱]

وہ روایات جو وجوب تقیہ پردلالت کرتی ہیں

۱ راوی امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے اس آیہ شریفہ« اولیک یؤتون اجرھم مرّتین بما صبروا »" وہ لوگ جنہیں ان کے صبر کے بدلے دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا " کے ذیل میں فرمایا:

---

۱ ۔ تقیہ سپری عمیقتر، ص ۸۲۔

بما صبروا علي التقية و يدرؤن بالحسنة السيّئة، قال : الحسنة التقية و السيّئة الاذاعة۔ [1]

تقیہ پر صبر کرنے پر دوگنا ثواب دیا جائے گا اور یہ لوگ حسنات کے ذریعے اور سیئات کو دور کرتے ہیں اور حسنہ سے مراد تقیہ ہے اور سیئات سے مراد آشکار کرنا ہے ۔

۲ ۔ حسن کوفي نے ابن ابي يعفور سے اور اس نے امام صادق عليه السلام سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

قال اتقوا علي دينكم احجبوه بالتقيه فانّه لا ايمان لمن لا تقية له انّما انتم في الناس كالنحل في الطير ولو انّ الطير يعلم ما في اجواف النحل ما بقي منها شيء الّا اكلته ولو ان الناس علموا ما في اجوافكم انّكم تحبونا اهل البيت عليهم السلام لاكلوكم بالسنتهم و لنحلوكم في السرّ والعلانية رحم الله عبدا منكم كان علي ولايتنا۔ [2]

---

۱ ۔ وسائل الشیعہ، باب امر بالمعروف، ص۴۶۰ ۔

۲ ۔ وسائل الشیعہ، باب امر بالمعروف، ص ۴۶۱۔

امام ؑ نے فرمایا: اپنے دین اور مذہب کے بارے میں ہوشیار رہو اور تقیہ کے ذریعے اپنے دین اور عقیدے کو چھپاؤ، کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں ۔ اور تم لوگوں کے درمیان ایسے ہو جیسے پرندوں کے درمیان شہد کی مکھی ۔ اگر پرندوں کو یہ معلوم ہو کہ شہد کی مکھی کے پیٹ میں میٹھا شہد ہے تو کبھی شہد کی مکھی کو زندہ نہیں چھوڑتے ۔اسی طرح اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ تمہارے دلوں میں ہم اہل بیت کی محبت موجود ہے، تو زخم زبان کے ذریعے تمہیں کھا جائیں گے ۔اور تم پر مخفی اور علانیہ طور پر لعن طعن کریں گے ۔خدا ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے جو ہماری ولایت کے پیرو کار ہیں ۔

۳ ۔عن ابي جعفر ؑ : يقول لاخير فيمن لا تقية له، ولقد قال يوسف ؑ : ايّتها العير انّكم لسارقون و ما اسرقوا لقد قال ابراهيم ؑ : انّي سقيم و االله ما كان سقيما۔ (۱)

امام باقر ؑ نے فرمایا: جس میں تقیہ نہیں اس میں کوئی خیر نہیں ۔ بہ تحقیق حضرت یوسف ؑ

---

۱ ۔ وسائل الشیعہ، باب امر بالمعروف، ص ۴۶۴۔

نے فرمایا: ایّتہا العیر! بیشک تم لوگ چور ہو ۔ جبکہ انہوں نے کوئی چیز چوری نہیں کی تھی ۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں بیمار ہوں۔خدا کی قسم !حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے ۔

کیابطور تقیہ انجام دئے گئے اعمال کی قضا ہے؟

ہمارے مجتہدین سے جب سوال ہوا: ھل یجب الاعادہ و القضاء في مقام التقیہ أم تقول بالاجزاء؟ کیا تقیہ کے طور پر انجام دئے گئے اعمال کا اعادہ یا قضا کرنا واجب ہے یا نہیں ؟مجتہدین اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ علم فقہ کی دو قسم ہے:

الف: عبادات

ب: معاملات

عبادات سے مراد یہ ہے کہ ان کا انجام دینا تعبدی ہے کہ جن میں قصد قربت شرط ہے جیسے نماز، روزہ اورحج وغیرہ۔ جب عبادت ایک زمانے سے مختص ہو جیسے نماز ظہر و عصر جو مقید ہے زوال شمس اور غروب شمس کے درمیان ادا کی جائے ، ورنہ قضا ہوجائے گی۔

پس خود عبادت کی دو قسمیں ہیں: (ادائیہ و قضائیہ)

اگر عبادات ناقص شرائط یا اجزاء کے ساتھ ہوں تو وقت کے اندر ان کا اعادہ اور وقت کے بعد قضاء واجب ہے ۔

اب جو فعل تقیہ کے طور پر انجام پایا ہو وہ اگر عبادت ہے تو اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ تقیہ میں ادا اور قضاء کی بحث ہی نہیں ہے ۔

شیخ مرتضیٰ انصاري اس سؤال کے جواب میں کہ کیا اعادہ یا قضاء واجب ہے ؟ فرماتے ہیں اگر شارع اقدس نے واجب موسع کے تقیہ کے طور پر انجام دینے کی اجازت دی ہے ، تو یہ اجازت یا کسی خاص مورد میں ہے یا عام موارد میں ۔ بعنوان مثال شارع اقدس نے اجازت دی ہے کہ نماز یا مطلق عبادات تقیہ کے طور پر انجام دی جائیں ، وقت ختم ہونے سے پہلے تقیہ کی علل و اسباب دور ہوجائیں تو یہ سزاوار ہیں کہ وہ اجزاء جو تقیہ کی وجہ سے ساقط ہوئے تھے انجام دیے جائیں لیکن اگر شارع نے واجب موسع کو تقیہ کی حالت

میں انجام دینے کی اجازت دی ہے خواہ خصوصی ہو یا عمومی ، تو بحث اسی میں ہے کہ کیا یہ تقیہ والا حکم کو بھی شامل کرے گا یا نہیں ؟

بلکہ آخر کلام یہ ہے کہ حالت تقیہ میں دیا گیا حکم مکلف سے ساقط ہو جاتا ہے ، اگرچہ وقت وسیع ہی کیوں نہ ہو۔ [۱]

اس کے بعد شیخ انصاري تفصیل کے قائل ہوگئے ہیں: اگر یہ شرائط اور اجزاء کا شمول عبادات میں کسي بھي صورت میں ضروري ہے خواہ اختیاری ہو یا اضطراری ، تو یہاں مولا کا حکم مکلف سے ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ اجزاء میں کمی بیشی تقیہ کی وجہ سے ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ معذور تھا ۔ اگرچہ یہ عذر تمام وقت میں باقی رہے ۔ جیسے نماز کا اپنے وقت میں ادا کرنا ممکن نہیں مگر یہ کہ سرکہ کے ساتھ وضو کرے ۔ باوجودیکہ سرکہ میں کوئی تقیہ نہیں ۔ درنتیجہ نماز کا اصل حکم منتفی ہوجاتا ہے ، کیونکہ نماز کیلئے شرط

۱۔ التقیہ في رحاب العلمین ، ص ۲۷۔

ہے کہ پانی کے ساتھ وضو کرے ۔

لیکن اگر یہ اجزاء اور شرائط دخالت رکھتا ہو اور مکلف کیلئے ممکن بھی ہو تو واجب ہے ورنہ نہیں ۔

اگر یہ اجزاء تمام وقت میں ادا ہوں تو ان کا حکم پہلے ہی سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے جتنا ممکن ہو انجام دیں ۔

اور اگر اجزاء میں عذر وقت کے اندر ہو ، خواہ اس عذر کا رفع ہونے کی امید ہو یا نہ ہو ، فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ آخر وقت تک انتظار کرے یا انجام دیدے ۔

لہذا جو بھی عبادات تقیہ کے طور پر ادا کی گئی ہیں وہ عبادات صحیح ہیں کیونکہ شارع نے انہیں تقیہ کی حالت میں انجام دینے کی اجازت دی ہے ۔ [1]

۱۔ التقیہ في رحاب العلمین ، ص ۲۸۔

کیا خلاف تقیہ کا عمل باطل ہے ؟

اگرکوئی مولا کے حکم کی مخالفت کرے اور اس کا عمل حکم شرعی کے مطابق نہ ہو تو وہ باطل ہوجاتا ہے ۔ اور اگر کسی پر تقیہ کرنا واجب ہوگیا تھا لیکن اس نے تقیہ نہیں کیا تو کیا اس کا عمل بھي باطل ہوجائے گا یا نہیں ؟

شیخ انصاري فرماتے هیں : اگر تقیہ کی مخالفت کرے جہاں تقیہ کرنا واجب ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ بعض ترک شدہ عمل اس میں انجام پائے ۔ تو حق یہ ہے کہ خود تقیہ کا ترک کرنا عقاب کا موجب ہو گا ۔ کیونکہ مولا کے حکم کی تعمیل نہ کرنا گناہ ہے ۔

پس قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ فعل بھی باطل ہوگا ۔ بالفاظ دیگر ہم ادلہ کے تابع ہیں اور موارد تقیہ میں ہیں ۔ اس کے بعد شیخ ایک توہّم ایجاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شارع اقدس نے تقیہ کی صورت میں اسی فعل کا انجام دینے کا حکم دیا ہے ۔

لیکن یہ توہّم صحیح نہیں ہے کیونکہ تقیہ کے ساتھ قید ایک بیروني قید ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے ۔اور نہ هي شرعی قید بطلان کا موجب ہے ۔ [1]

امام خمیني اس عنوان «ان ترك التقية هل يفسد العمل ام لا؟» کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر تقیہ کے برخلاف عمل کریں تو صحیح ہے ، کیونکہ تقیہ کا حکم ہونا موجب نہیں بنتا کہ عمل سے بھی روکے جیسا کہ علم اصول کا مسلم قاعدہ ہے:

انّ الامر بالشيئ لا يقتضي النهي عن ضدّه ۔

امام خمیني کے مطابق یہ ہے کہ چونکہ ایک عنوان سے روکا گیا هے اور دوسرے عناوین میں بطور مطلق تقیہ کے خلاف عمل کرنا صحیح ہے ۔ [2]

۱۔ التقیہ في رحاب العلمین ، ص ۲۴۔

۲۔ التقیہ في رحاب العلمین،ص۲۵۔

وہ موارد جہاں تقیہ کرنا حرام ہے

تقیہ عموماً دو گروہ کے درمیان مورد بحث قرار پاتا ہے اور یہ دونوں کسی نہ کسی طرح صحیح راستے سے ہٹ چکے ہوتے ہیں ۔اور اپنے لئے اوردوسروں کے لئے درد سر بنے ہوتے ہیں:

پہلا گروہ:

وہ مؤمنین جو ترسو اورڈرپوک ہیں اور وہ لوگ کوئی معلومات نہیں رکھتے، دوسرے لفظوں میں انہیں مصلحت اندیشی والے کہتے ہیں کہ جہاں بھی اظہار حق کو ذاتی مفاد اور منافع کے خلاف دیکھتے ہیں یا حق بات کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں ہوتي، تو فوراً تقیہ کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

التقية ديني و دين آبائي لا دين لمن لاتقية له۔

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے، جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے ۔اس طرح دین اور مذہب کا حقیقی چہرہ مسخ کرتے ہیں ۔

دوسرا گروہ:

نادان یا دانا دشمن ہے جو اپنے مفادکی خاطر اس قرآنی دستوریعنی تقیہ

کے مفہوم کو مسخ کرکے بطور کلی آئین اسلام یا مذہب حقہ کو بدنام کرنے کی کوشش میں لگا رھتا ہے ۔ یہ لوگ تقیہ کے مفہوم میں تحریف کرکے جھوٹ ،ترس، خوف ، ضعیف ، مسئولیت سے دوری اختیار کرنا، ۔۔۔کا معنی کرتے ہیں ۔ سرانجام اس کا یہ ہے کہ وہ اپني ذمہ داري کو نبھانے سے دوري اختیار کرتے ہیں ،

ان دونوں گروہ کي غلطي دور کرنے کیلئے کافی ہے کہ دو موضوع کی طرف توجہ کریں ۔

۱۔ تقیہ کا مفہوم

مفہوم تقیہ کے بارے میں پہلے بحث کرچکے ہیں ، کہ تقیہ کا معنی خاص مذہبی عقیدہ کا چھپانا اور کتمان کرنا ہے ۔ اور وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کے عقیدے ، فکر ، نقشہ ، یا پروگرام کا اظہار نہ کرنا ،تقیہ کہلاتا ہے ۔

۲۔ تقیہ کا حکم

ہمارے فقہاء اور مجتہدین نے اسلامی مدارک اور منابع سے استفادہ کرتے ہوئے تقیہ کو تین دستوں میں تقسیم کیا ہے :

۱ حرام تقیہ ۲ واجب تقیہ ۳ جائز تقیہ ۔

اور کبھی اسے پانچ قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: مکروہ اور مباح کو بھی شامل کرتے ہیں ۔ لہذا یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ تقیہ نہ ہر جگہ واجب ہے اور نہ ہر جگہ حرام یا مکروہ، بلکہ بعض جگہوں پر واجب، و مستحب اور بعض جگہوں پر حرام یا مکروہ ھے۔ اسي لئے اگر کسی نے حرام مورد میں تقیہ کیا تو گویا اس نے گناہ کیا ۔

کلي طورپر جب بھی تقیہ کر کے محفوظ کئے جانے والا ہدف کے علاوہ کوئی اور ہدف جو زیادہ مہمتر ہو، خطرے میں پڑ جائے تو اس وقت تقیہ کا دائرہ توڑنا واجب ہے، چوں کہ تقیہ کا صحیح مفہوم؛ قانون اہم اور مہم کے شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جب یہ دونوں ہدف آپس میں ٹکرا جائیں تو اہم کو لیتے ہیں اور مہم کو اس پر فدا کیا جاتا ہے۔

یہی اہم اور مہم کا قانون کبھی تقیہ کو واجب قرار دیتا ہے اور کبھی حرام۔ روایات کي روشني میں بعض موارد میں تقیہ کرنا حرام ہے، اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ جہاں حق خطرے میں پڑ جائے

جہاں اپنے عقیدے کو چھپانا مفاسد کا پرچار اور کفر اور بے ایمانی یا ظلم وجور میں اضافہ اور اسلامی ستونوں میں تزلزل اور لوگوں کا گمراہی اور شعائر یا احکام اسلامی کا پامال ہونے کا سبب بنے تو وہاں تقیہ کرنا حرام ہے ۔ لہذا ایسے مواقع پر اگر ہم کہیں کہ تقیہ مباح ہے تو یہ بھی بہت بڑی غلطی ہوگی ۔ اور اس قسم کا تقیہ « ویران گر تقیہ » کہلائے گا ۔پس وہ تقیہ مجاز یا واجب ہے جو مثبت اور مفید ہو اور اہداف کے حصول کی راہ میں رکاوٹ کا سبب نہ بنتا ہو۔

۲ ۔جہاں خون خرابہ کا باعث ہو

جہاں خون ریزی ہو اور بے گناہ لوگوں کی جان مال کو خطرہ ہو تو وہاں تقیہ کرنا حرام ہے ۔ جیسا کہ اگر کوئی مجھ سے کہہ دے کہ اگر فلاں کو تم قتل نہ کرو تو میں تجھے قتل کردوں گا۔ تو اس صورت میں مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں اس شخص کو قتل کروں ۔ اگرچہ مجھے یقین ہوجائے کہ میری جان خطرے میں ہے ۔

ایسی صورت میں اگر کوئی کہہ دے کہ ہمارے پاس روایت ہے کہ (المأمور معذور)۔ لہذا اگر میں فلاں کو قتل کروں تو کوئی گناہ نہیں ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معروف جملہ «المامور معذور» سند کے لحاظ سے ضعیف ہے کیونکہ اس کی اصلی سند « شمر» تک پہنچتی ہے ۔ [1] اسے کوئی عاقل اور شعور رکھنے والا قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی جان بچانے کی خاطر کسی دوسرے بے گناہ کی جان لے لے ۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ قاتل ہوگا ۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں :

انّما جعل التقية ليحقن بها الدم فاذا بلغ الدم فليس التقية۔ [2]

تقیہ شریعت میں اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ قومی اور انفرادی قدرت ضائع نہ ہو ، اپنے اور دوسروں کے خون محفوظ رہیں ۔ اور اگر خون ریزی شروع ہوجائے تو تقیہ جائز نہیں ہے ۔

---

۱ ۔ مکارم شیرازي؛ تقیہ مبارزہ عمیقتر، ص ۷۱۔

۲ ۔ شیخ اعظم انصاري؛ مکاسب، ج ۲، ص ۹۸۔

۳۔ جہاں واضح دلیل موجود ہو

وہ موارد جہاں واضح طور پر عقلی اور منطقی دلائل موجود ہوں، جیسے اسلام میں شراب نوشی کی ممانعت ھےیہاں تقیہ کرکے شراب پینے کي اجازت نہیں ھے ۔اور تقیہ حرام ہےیہاں عقیدہ چھپانے کی بجائے عقلی اور منطقی دلائل سے استدلال کریں ۔اور ایسا حال پیدا کریں کہ مد مقابل کو یقین ہوجائے کہ یہ حکم قطعی ہےاور اس کا اجراء کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے ۔لیکن کبھی بعض ڈرپوک اور بزدل لوگ جب شرابیوں کے محفلوں میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ بجائے اعتراض کرنے کے ، ان کے ساتھ ہم پیالہ ہو جاتے ہیں ۔یا اگر نہیں پیتے تو کہتے ہیں کہ شراب میرے مزاج کیلئے مناسب نہیں ہے ۔لیکن یہ دونوں صورتوں میں مجرم اور خطاکار ہے۔یا صراحت کے ساتھ کہہ دیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے شراب نہیں پیتے ۔

اسی طرح اجتماعی ، معاشرتی اور سیاسی وظیفے کی انجام دہی کے موقع پر بھی دوٹوک جواب دینا چاہئیں ۔

۴۔ جہاں احکام شریعت بہت زیادہ اہم ہو

بعض واجبات اور محرمات جو شارع اور متشرعین کے نزدیک زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، وہاں تقیہ جائز نہیں ہے ۔ جیسے اگر کوئی خانہ کعبہ کی بے حرمتی یا انہدام کرنے کی کوشش کرے یا اسی طرح اور دینی مراکز جیسے مسجد، آئمہ کی قبور کی بے حرمتی کرے تو وہاں خاموش رہنا جرم ہے، اسی طرح گناہان کبیرہ کے ارتکاب پر مجبور کرے تو بھی انکار کرنا چاہئے ۔ ایسے موارد میں تقیہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

چھٹی فصل

تقیہ کے بارے میں شبہات اور ان کا مدلّل جواب

چھٹی فصل:

تقیہ کے بارے میں شبہات اور ان کا مدلّل جواب

آئمہ طاہرین کے زمانے میں دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کی طرف سے شیعوں پر مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے؛ ان میں سے ایک تقیہ ہے۔

سب سے پہلا اشکال اور شبہہ پیدا کرنے والا سلیمان بن جریر ابدی ہے جو فرقہ جریرہ کا رہبر ہے ۔ وہ امام صادق علیہ السلام کا ہم عصر ہے ۔اس کا کہنا ہے کہ شیعوں کے امام جب کسی خطا کے مرتکب ہوتے تھے تو تقیہ کو راہ فرار کے طور پر بیان کرتے تھے ۔ اور کہتے تھے کہ یہ تقیہ کے طور پر انجام دیا گیا ہے ۔ [۱]

یہی اشکال، اس کے بعد مختلف کلامی اور تفسیری کتابوں میں اہل سنت کی جانب سے کرنے لگے ۔ بعد میں شیعہ بڑے عالم دین سید شریف مرتضي معروف بہ علم الهدي (۳۵۵ ۴۳۶)ق نے ان شبہات اور اشکالات کا جواب دیا ہے۔ [۲]

---

۱ ۔ نوبختي، فرق الشيعه ، ص۸۵۔

۲ ۔ شيخ انصاري، رسائل ، ج ۱،ص ۲۹۰، ۳۱۰۔

فخر رازي(۵۴۴ ۶۰۶ ه) صاحب تفسیر کبیر نے « مفاتیح الغیب »میں سلیمان ابن جریر کے تقیہ کے بارے میں اس شبہہ کوتکرار کیا ہے، جس کا جواب خواجہ نصیر الدین طوسي (۵۷۹ ۶۵۲ق) نے دیا ہے ۔ [1]

سب سے زیادہ شبہات گذشتہ دور میں تقي الدین احمد معروف ابن تیمیہ (۶۶۱ ۷۲۸ق) کی کتاب منهاج السنۃ ، میں دیکھنے میں آتا ہے جو مجموعاً پانچ اشکالات پر مشتمل ہے ۔ [2]

---

۱ ۔ المحصل، ص ۱۸۲۔

۲ ۔ ابن تیمیہ؛ منهاج السنۃ النبویہ، ج ۱،ص ۱۵۹۔

ابن تیمیہ کے اشکالات کی تفصیل

ابن تیمیہ کے وہ شبہات (جو تقیہ سے مربوط ہیں) کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱. اصل تشریع تقیہ سے مربوط شبہات
۲. امام معصوم سے مربوط شبہات
۳. شیعوں سے مربوط شبہات

الف: تشریع تقیہ سے مربوط شبہات اور ان کا جواب

- تقیہ یعنی جھوٹ۔
- تقیہ یعنی منافقت۔
- تقیہ امر بہ معروف و نہي از منکر کی ضد۔

- تقیہ جہاد کی ضد۔
- تقیہ اورآیات تبلیغ کے درمیان تعارض۔
- تقیہ یعنی ظلم۔

۱۔تقیہ یعنی جھوٹ :

ابن تیمیہ اس شبہہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تقیہ ایک قسم کا جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا ایک قبیح اور بری چیز ہے اور خدا تعالی نے بری چیز کو حرام قرار دیا ہے، پس تقیہ بھی خدا کے نزدیک قبیح اور بری چیز ہے ۔اور جائز نہیں ہے ۔اس اشکال کیلئے دو جواب دئے جاتے ہیں:

پہلا جواب: اگر تقیہ جھوٹ ہے تو اللہ تعالي نے قرآن مجید میں کئی جگہوں پر کیوں تقیہ کرنے والوں کی مدح سرائی کی ہے ؟!: جیسے آلعمران کي آیہ نمبر۲۸ میں فرمایا :﴿ الّا ان تتقوا منهم، ﴾

اورسورہ نحل کي آیہ ۱۰۶ میں فرمایا :

﴿ الا من اکرہ و قلبه مطمئن بالایمان ﴾۔

اللہ تعالی نے صرف تقیہ کرنے کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ مجبوری کے وقت تقیہ کرنے کا باقاعدہ حکم دیا ہے اور تقیہ کرنے کا شوق دلایا ہے ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا جب کافروں کی طرف سے مجبور کیا جائے اور تقیہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ ہو تو وہاں کیا جھوٹ بولنا صحیح نہیں ہے ؟ کیونکہ ہر جگہ جھوٹ بولنا برا نہیں ہے ۔ جیسے اگر کسی دو مسلمان بھائیوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا کرنے اور خون و خرابہ سے بچنے کیلئے جھوٹ بولنا جائز ہے ، کیونکہ اگر سچ بولیں تو جھگڑا فساد بڑھ سکتا ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ : یہ اشکال دو مقدمے (صغری اور کبری) سے تشکیل پاتا ہے ۔ صغری میں کہا ہے کہ تقیہ ایک قسم کا جھوٹ ہے ۔ یہ صغری ہر مصداق اور مورد میں صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ تقیہ اخفائی یعنی واقعیت کے بیان کرنے سے سکوت اختیار کرنے کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا ۔ بلکہ یہ صرف تقیہ اظہاری میں صدق آسکتا ہے ۔ وہ بھی توریہ نہ کرنے کی صورت میں ۔

پس تقیہ کے کچھ خاص مواردہیں جہاں تقیہ کا مصداق کذب اور جھوٹ ہے۔

لیکن کبری 'یعنی جھوٹ بولنا قبیح اوربرا ہے ؛یہاں کہیں گے کہ جھوٹ ہرجگہ برا نہیں ہے ۔کیونکہ مختلف عناوین کو حسن وقبح کی کسوٹی پرناپا جاتا ہے تو ممکن ہے درج ذیل تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پائی جائے :

١. یا وہ عنوان حسن وقبح کیلئے علت تامہ ہے ۔جیسے حسن عدالت اورقبح ظلم۔انہیں حسن وقبح ذاتی کہا جاتا ہے ۔

٢. یا وہ عنوان جو خود بخود حسن وقبح کا تقاضا کرتا ہو ، بشرطیکہ کوئی اور عنوان جو اس تقاضے کو تبدیل نہ کرے ،اس پر صدق نہ آئے ۔جیسے کسی یتیم پر مارنا خود بخود قبیح ہے لیکن اگر ادب سکھانے کا عنوان اس پر صدق آجائے تو یہ قباحت کي حالت سے نکل آتا ہے ۔ایسے حسن وقبح کو عرضی کہتے ہیں۔

٣. یا وہ عنوان جو حسن وقبح کے لحاظ سے متساوي الطرفين ہو ۔اور حسن وقبح سے متصف ہونے کیلئے مختلف شرائط کی ضرورت ہو ۔ جیسے کسی پر مارنا

اگر ادب سکھانے کیلئے ہو تو حسن ہے اور اگر اپنا غم و غصہ اتارنے کیلئے مارے تو قبیح ہے لیکن اگر کسی بے جان چیز پر مارے تو نہ حسن ہے اور نہ قبیح ہے ۔

اوریہاں ہم اس وقت جھوٹ بولنے کو قبیح مانیں گے کہ پہلا عنوان اس پر صدق آتا ہو جب کہ ایسا نہیں ہے ۔اور عقلاء نے بھی اسے دوسری قسم میں شمار کیا ہے۔کہ جب بھی کوئی زیادہ مہمتر مصلحت کے ساتھ تزاحم ہو تو اس کی قباحت دور ہوجاتی ہے ، جیسے : ایک گروہ کا خون خرابہ ہونے سے بچانے کیلئے جھوٹ بولنے کو ہر عاقل شخص جائز سمجھتا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اور پیغمبر اسلام (ص) نے عماربن یاسر کے تقیہ کرتے ہوئے جھوٹ بولنے اور کفار کے شر سے اپنی جان بچانے کو مورد تائید قرار دیا ہے ۔

شیخ طوسی کا جواب

تقیہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ ، الکذب ضد الصدق و ھو الاخبار عن الشيء لا علي ما ھو بہ۔[1] جھوٹ سچائی کی ضد ہے اور جھوٹ سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی خبر دے، جس کي کوئی حقیقت نہ ہو۔

پس جھوٹ کے دو رکن ہیں:

الف: کسی واقعے کے بارے میں خبر دینا ۔

ب: اس خبر کا واقعیت کے مطابق نہ ہونا۔

جبکہ تقیہ کے تین رکن ہیں :

الف:حق بات کا چھپانا۔

ب: مخالفین کے ساتھ موافقت کا اظہار کرنا ۔

---

١ ۔ محمود، یزدي؛ اندیشہ کلامي شیخ طوسي، ص ٢٧٩۔

ج: اور یہ دونوں رکن اس لئے ہوں کہ دشمن کے شر سے اپنی جان یا مال کی حفاظت کرے۔

لہذا پہلی بات تو یہ ہے کہ جھوٹ اخباری ہے اور تقیہ دشمن کو برحق ظاہر کرنا ہے ۔دوسری بات یہ ہے کہ جھوٹ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بات دل میں چھپا رکھی ہے وہ بھی حق ہو، جبکہ تقیہ میں یہ شرط ہے کہ جو بات دل میں چھپا رکھی ہے وہ بھی حق ہو ۔

۲ ۔تقیہ یعني منافقت!

ممکن ہے کوئی یہ دعوا کرے کہ جو مکر اورفریب منافق لوگ کرتے ہیں، تقیہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ منافق دوسروں کو دھوکہ دینے کیلئے زبان پر ایسی چیزکا اظہار کرتے ہیں جس کے برخلاف دل میں چھپا رکھی ہو ۔

شیخ طوسي اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتےہیں کہ مخادع اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دل میں موجود بات کے برخلاف زبان پر اظہار کرے تاکہ جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے وہ محفوظ رہے ۔اسی لئے منافق کو مخادع کہا جاتا ہے ۔ کیونکہ وہ زبان کے ذریعے اسلام کا کلمہ پڑھ کر کفر کی مہر لگنے سے فرار کرکے اپنی جان بچاتا ہے ۔ اگرچہ منافق ، مؤمن کو ظاہراً زبان کے ذریعے دھوکہ دیتا ہے ، لیکن حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے ۔

یہ درست ہے کہ تقیہ میں بھی باطن کے خلاف بات کا اظہار ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی جان بچاتا ہے ؛ لیکن یہ دونوں (تقیہ اور نفاق) اصولاًباہم مختلف اور متفاوت ہے۔اور دونوں قابل جمع بھی نہیں۔

امام صادق علیہ السلام اس مختصر حدیث میں مؤمن ہونے کا دعوا کرنے اور ایسے موارد میں تقیہ کا دامن پکڑنے والوں کو شدید طورپر ڈراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

و ايّم الله لو دعيتم لتنصرونا لقلتم لا نفعل انّما نتقي و لكانت التقيه احبّ اليكم من آبائكم و آّهاتكم ، ولو قد قام القائم ما

احتاج الي مسائلكم عن ذالك و لا قام في كثير منكم حدّ النفاق۔[1]

خدا کی قسم ! اگر تمہیں ہماری مدد کیلئے بلائے جائیں تو کہہ دینگے ہر گز انجام نہیں دیں گے، کیونکہ ہم تقیہ کی حالت میں ہیں ۔تمہارے والدین کا تقیہ کرنا تمہارے نزدیک زیادہ محبوب ہے ، اور جب ہمارا قائم قیام کرے گا اور ہماری حکومت تشکیل دے گی، تو خدا کی قسم بغیر سوال کئے ، منافقین کو سزا دینا شروع کریگا جنہوں نے تمہارا حق مارا ہے ۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ امام ✔ اپنے بعض نادان دوستوں کے بے موقع تقیہ کرنے کی وجہ سے غم و غصہ کا اظہار فرماتے ہوئے نفاق اور تقیہ کے درمیان حد فاصل کو واضح فرمارہے ہیں ۔

اپنے مقدس اہداف کی ترقی کی خاطر پردہ پوشي کرنے اور چھپانے کا نام تقیہ ہے اور جائز ہے ۔اجتماعی اور الہی اہداف کی حفاظت کی خاطر اپنا ذاتی اہداف کو فدا کرنے کا نام

---

۱ ۔ وسائل الشیعہ، ج ۲ ، باب ۲۵۔

تقیہ ہے ۔اس کے برخلاف اگر کوئی اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اجتماعی اور قومی مفاد کو قربان کرے تو وہ منافق کہلائے گا۔

ایک اور حدیث میں امام علیہ السلام سے منقول ہے :جب بھی انسان ایمان کا اظہار کرے ، لیکن بعد میں عملی میدان میں اس کے برخلاف عمل کرے تو وہ مؤمن کی صفات سے خارج ہے ۔ اور اگر اظہار خلاف ایسے موارد میں کیا جائے جہاں تقیہ جائز نہیں ہے تو اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے:

لانّ للتقیه مواضع من ازالها عن مواضعها لم تستقم له [۱]

کیونکہ تقیہ کی بھی کچھ حدود ہیں جو بھی اس سے باہر قدم رکھے گا تو وہ معذور نہیں ہوگا ۔اور حدیث کے آخر میں فرمایا : تقیہ وہاں جایز ہے جہاں دین اور ایمان میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو ۔

«کمیت» شاعر کہ جو مجاہدوں کی صف میں شمار ہوتا ہے کہ اپنے ذوق شاعری

---

۱ ۔ وسائل الشیعہ ,ج ۶ ، باب ۲۵۔

سے استفادہ کرتے ہوئے بنی عباس کے دور خلافت میں اس طاغوتی نظام کے خلاف قیام کیا اور مکتب اہل بیت ﷼ کی حمایت کی ۔ ایک دن امام موسي ابن جعفر ✔ کی خدمت میں پہنچا ، دیکھا کہ امام ✔ کا چہرہ بگڑا ہوا ھے ۔ جب وجہ پوچھي توشدید اور اعتراض آمیز لہجے میں فرمایا : کیا تونے بنی امیہ کے بارے میں یہ شعرپڑھا ہے ؟!

فالان صرت ا لي امة و الامم لها الي مصائر

ابھي تو میں خاندان بني امیہ کي طرف متوجہ ھوا ھوں اور ان کا کام میري طرف متوجہ ھورھا ھے ۔

کمیت کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: مولا ! اس شعر کو میں نے پڑھا ہے لیکن خدا کی قسم میں اپنے ایمان پر باقی ہوں اور خاندان اہل بیت ﷼ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے دوستداروں سے بھی محبت رکھتا ہوں اور اسی لئےآپ کے دشمنوں سے بیزار ہوں؛ لیکن اسے میں نے تقیۃً پڑھا ہے ۔

امام ✔ نے فرمایا: اگر ایسا ہو تو تقیہ ہر خلاف کاروں کیلئے قانونی اور شرعی مجوز بنے گا ۔ اور شراب خوری بھی تقیہ کے تحت جائز ہوجائے گی ۔ اور بنی عباس کی حکومت کا دفاع کرنا بھی جائز ہوجائے گا ۔ اس قسم کے تقیہ سے تملّق ، چاپلوسي اور ظالموں کی ثنا خوانی کا

بازار گرم اور پر رونق ہوجائے گا۔ اور نفاق ومنافقت بھی رائج ہوجائے گی۔ [1]

۳۔تقیہ، جہاد کے منافی

اشکال یہ ہے:

اگر تقیہ کے قائل ہوجائیں تو اسلام میں جہاد کا نظریہ ختم ہونا چاہئے ۔ جبکہ اس جہاد کی خاطر مسلمانوں کی جان و مال ضائع ہوجاتی ہیں ۔ [2]

جواب:

اسلامي احکام جب بھی جانی یا مالی ضرر اور نقصان سے دوچار اور روبرو ہوجاتا ہے تو دو قسم میں تقسیم ہوجاتا ہے :

١. وہ احکامات جن کا اجراء کرنا کسی جانی ضرر یا نقصان سے دوچار نہیں ہوتا ، جیسے نماز کا واجب ہونا ، جس میں نہ مالی ضرر ہے اور نہ جانی ضرر۔

---

١ ۔ مکارم شیرازي؛ تقیہ سپري عمیقتر، ص ۷۰۔

۲۔ قفاري ؛ اصول مذهب الشيعہ، ج۲، ص ۸۰۷۔

۲. وہ احکامات جن کا اجرا کرنا ، جانی یا مالی طور پر ضرر یا نقصان برداشت کرنے کا سبب بنتا ہے ۔ جیسے زکوۃ اور خمس کا ادا کرنا ، راہ خدا میں جہاد کرنا وغیرہ ۔

تقیہ کا حکم صرف پہلی قسم سے مربوط ہے ۔ کہ بعض موارد میں ان احکام کو بطور حکم ثانوی اٹھایا جاتا ہے ۔ لیکن دوسری قسم سے تقیہ کا کوئی رابطہ نہیں ہے ۔ اور جہاد کا حکم بھی دوسری قسم میں سے ہے ، جب بھی شرائط محقق ہوجائے تو جہاد بھی واجب ہوجاتا ہے ۔ اگرچہ بہت زیادہ جانی یامالی نقصان بھی کیوں نہ اٹھانا پڑے ۔

۴ ۔تقیہ اور آیات تبلیغ کے درمیان تعارض

آلوسی کہتا ہے کہ تقیہ ان دو آیات کے ساتھ تعارض پیدا کرتا ہے کہ جن میں پیغمبر

اکرم کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے ۔ [1]

۱۔ ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ ۔ [2]

اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اپنے حبیب کو تبلیغ کا حکم دے رہا ہے اگر چہ خوف اور ڈر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ ﴿ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللهَ وَكَفَى بِاللهِ حَسِيبًا ﴾ ۔ [3]

وہ لوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور دل میں اس کا خوف رکھتے ہیں اور اس

۱۔ ابوالفضل آلوسي؛ روح المعاني، ج ۳، ص ۱۲۵۔

۲ ۔ مائدہ۶۷۔

۳ ۔ احزاب ۳۹۔

کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ، اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس آیہ شریفہ میں خدا کے علاوہ کسی سے نہ ڈرنا ایک بہترین صفت قرار دیتے ہوئے سراہا گیا ہے ۔

اسی طرح اللہ تعالی کے احکامات کو چھپانے کی مذمت میں بھی آیات نازل ہوئی ہیں ، جیسا کہ فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ وَ يَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلاً أُوْلَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ لَا يُزَكِّيهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾۔ [۱]

جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے احکام کو چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور خدا روز قیامت ان سے بات بھی نہ کرے گا اور نہ انہیں پاکیزہ قرار دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

۱۔ بقرہ ۱۷۴۔

اس اشکال کیلئے یوں جواب دے سکتے ہیں؛ تبلیغ کبھی اصول دین سے مربوط ہے اور کبھی فروع دین سے ۔ اور جب بھی تبلیغ اصول دین سے مربوط ہو اور تبلیغ نہ کرنا باعث بنے کہ لوگ دین سے آشنائی پیدا نہ کرے اور لوگوں کی دین سے آشنائی اسی تبلیغ پر منحصر ہو تو یہاں تقیہ حرام ہے اور دائرہ تقیہ کو توڑ کر تبلیغ میں مصروف ہونا چاہئے، اگرچہ تقیہ ضرر جانی یا مالی کا سبب کیوں نہ بنے؛ کیونکہ آیات مذکورہ اور داخلی اور خارجی قرینے سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ اسی نوع میں سے ہے ۔ یہاں تقیہ بے مورد ہے ۔

لیکن اگر تبلیغ فروع دین سے مربوط ہو تو یہاں تبلیغ اور جانی ومالی نقصانات کا مقائسہ کرے گا کہ کس میں زیادہ مصلحت پائی جاتی ہے ؟ اور کون سا زیادہ مہم ہے ؟اگر جان یا مال بچانا تبلیغ سے زیادہ مہم ہو تو وہاں تقیہ کرتے ہوئے تبلیغ کو ترک کرنا واجب ہے ۔ مثال کے طور پر ایک کم اہمیت والا فقہی فتویٰ دے کر کسی فقیہ یا عالم دین کی جان بچانا۔

۵۔تقیہ اورذلّت مؤمن

اشکال :وھابي لوگ کہتے ہیں کہ تقیہ مؤمن کی ذلت کا باعث ہے ۔ خداتعالی نے ہر اس چیز کو جو باعث ذلت ہو ، اسے شریعت میں حرام قرار دیا ہے ۔ اور تقیہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ [۱]

جواب:اس جملے کا صغریٰ مورد اشکال ہے کیونکہ یہ بات قابل قبول نہیں اگر تقیہ کو اپنے صحیح اور جائز موارد میں بروئے کار لایا جائے تو ذلت کا باعث نہیں ہوسکتا ۔کیونکہ دشمن کے سامنے ایک اہم مصلحت کی خاطر حق کی بات کرنے سے سکوت اختیار کرنا یا حق کے خلاف اظہار کرنا نہ ذلت کا سبب ہے اور نہ مذمت کاباعث ۔

چنانچہ عمار ابن یاسر نے ایسا کیا تو قرآن کریم نے بھي ان کی مدح سرائي کی ۔

---

۱ ۔موسي موسوي؛ الشيعه و التصحيح، ص ۶۷۔

٦۔تقیہ،مانع امر بہ معروف

اشکال یہ ہے کہ تقیہ انسان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے روکتی ہے ۔ کبھی جان کا خوف دلا کر تو کبھی مال یا مقام کا ۔جب کہ یہ دونوں (امر اور نہی) واجبات اسلام میں سے ہیں ۔جس کی تائید میں فرمایا : افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر۔ ظالم و جابر حکمران کے سامنے حق بات کا اظہار کرنا بہترین جہاد ہے ۔

اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے :

۱ امر بہ معروف و نہي از منکر مطلقًا جائز نہیں ۔ بلکہ اس کیلئے بھی کچھ شرائط و معیارہے کہ اگر یہ شرائط اور معیار موجود ہوں تو واجب ہے ۔۔ورنہ اس کا واجب ہونا ساقط ہوجائے گا ۔

من جملہ شرائط امر بہ معروف و نہي از منکر میں سے یہ ہیں :انکار کرنے میں کوئی ایسا مفسدہ موجود نہ ہو جو اس سے بھی کسی بڑے جرم ،جیسے قتل و غارت

میں بتلا ہو جائے ۔ ایسی صورت میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ امر بہ معروف و نہی از منکر کرنا جائز نہیں ہے ۔
۲ وہ روایات جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا اظہار کرنے کو ممدوح قرار دیتی ہیں ، وہ خبر واحد ہیں جو ادلہ عقلی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتیں ۔ یعنی تعارض کے موقع پر دلیل عقلی مقدم ہو گی ، اس سے دفع ضرر اور حفظ جان مراد ہے ۔ [۱]

ب: امام معصوم علیہ السلام کا تقیہ سے مربوط شبہات

- تقیہ بیان شریعت امامؑ کي ضد ہے۔
- تقیہ روایات « سلوني قبل ان تفقدوني » سے تضاد رکھتا ہے ۔

---

۱ ۔ دکتر محمود یزدي؛ اندیشه هاي کلامي شیخ طوسي، ص ۲۸۹۔

- تقیہ کلام امامؑ پر عدم اعتماد کا موجب
- تقیہ یعنی تحلیل حرام و تحریم حلال۔
- تقیہ شجاعت کی ضد۔
- جہاں سکوت کرنا ممکن ہو وہاں تقیہ کی کیا ضرورت ؟
- تقیہ کے علاوہ اور بھي راستے هيں ۔
- کیا تقیہ ایک اختصاصي حکم ہے یا عمومي؟
- تقیہ کیا خلاف عصمت نہیں؟
- تقیہ کیا علم امامؑ سے منافات نہیں رکھتا ؟۔
- تقیہ کرنے کي صورت میں کیا دین کا دفاع ممکن ہے ؟
- کیوں ایک گروہ نے تقیہ کیا اور دوسرے گروہ نے نہیں کیا ؟

اشکال کرنے والا اس مرحلے میں تقیہ کے شرعی جواز کو فی الجملہ قبول کرتا ہے ، کہ بعض موارد میں مؤمنین کیلئے تقیہ کرنا جائز ہے ۔ لیکن دینی رہنماؤں جیسے امام

معصوم علیہ السلام کیلئے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے ـ کیونکہ اگر دین کے رہنما تقیہ کریں تو درج ذیل اشکالات وارد ہو سکتے ہیں :

١ـتقیہ اور امام علیہ السلام کا بیان شریعت

شیعہ عقیدے کے مطابق امام معصوم علیہ السلام کے وجود مبارک کو شریعت اسلام کے بیان کیلئے خلق کیا گیا ہے ـ لیکن اگر یہ حضرات تقیہ کرنے لگیں تو بہت سارے احکام رہ جائیں گے اور مسلمانوں تک نہیں پہنچ پائیں گے ـ اور ان کي بعثت کا فلسفہ بھي ناقص ہو گا ـ

اسی سلسلے میں اہل سنت کے ایک عالم نے اشکال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علي علیہ السلام کو اظہار حق کی خاطر منصوب کیا ہے تو تقیہ کیا معني رکھتا ہے ؟!

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ معصومین علیہم السلام نے بہترین انداز میں اپنے وظیفے پر

عمل کیا ہے لیکن ہمارے مسلمان بھائیوں نے ان کے فرامین کو قبول نہیں کیا ۔

چنانچہ حضرت علي علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے آپ ۲۵ سال خانہ نشین ہوئے تو قرآن مجید کی جمع آوری ، آیات کی شأن نزول ، معارف اسلامی کی توضیح اور تشریح کرنے میں مصروف ہوگئے ۔ اور ان مطالب کو اونٹوں پر لاد کر مسجد میں مسلمانوں کے درمیان لے گئے تاکہ ان معارف سے لوگ استفادہ کریں ؛ لیکن خلیفہ وقت نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا ۔ [1]

جب امام نے یہ حالت دیکھي تو خاص شاگردوں کي تربیت اور ان کو اسلامي احکامات اور دوسرے معارف کو تعلیم دیتے ہوئے اپنا شرعي وظیفہ انجام دینے لگے ؛ لیکن یہ هماري کوتاهي تھي کہ هم نے ان کے فرامین کو پس پشت ڈالا اور اس پر عمل نہیں کیا ۔

---

۱ ۔ محمد باقر حجتي؛ تاریخ قرآن کریم، ص ۳۸۷۔

الف: امام علیہ السلام کا تقیہ اور اقوال

شیخ طوسي امام کیلئے تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اس میں دو قول ہیں:

١. معتزلہ والے کہتے ہیں کہ امام کیلئے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے ۔ کیونکہ امام ؑ کا قول، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی طرح حجت ہے ۔

٢. امامیہ والے کہتے ہیں کہ اگر تقیہ کے واجب ہونے کے اسباب نہ ہوں، کوئی اور مانع بھي موجود نہ ہو تو امام تقیہ کرسکتے ہیں ۔

شیخ طوسي کے ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام تقیہ کرسکتے ہیں بشرطیکہ شرائط موجود ہوں۔

ب: امام علیہ السلام کیلئے تقیہ جائز ہونے کے شرائط

- شرعی وظیفوں پر عمل پیرا ھونا اور احکام کی معرفت حاصل کرنا اگر فقط امام ؑ پر منحصر نہ ہو جیسے امام ؑ کا منصوص ہونا فقط امام ؑ کے قول پر منحصر نہیں ہے بلکہ قول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عقل سلیم کے ذریعے سے بھی مکلف

جان سکتا ہے تو ایسي صورت میں امامؑ تقیہ کرسکتے ہیں ۔

 اس صورت میں امامؑ تقیہ کرسکتے ہیں کہ آپ کا تقیہ کرنا حق تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ بنے ۔ اورساتھ ہی شرائط بھی پوری ہوں۔

 جن موارد میں امامؑ تقیہ کررہے ہیں وہاں ہمارے پاس واضح دلیل موجود ہوکہ معلوم ہوجائے کہ امامؑ حالت تقیہ میں حکم دے رہے ہیں ۔

اس بنا پر اگر احکام کی معرفت امامؑ میں منحصر نہ ہو، یا امامؑ کا تقیہ کرنا حق تک جانے میں رکاوٹ نہ ہو اور کوئی ایسی ٹھوس دلیل بھی نہ ہو جو امامؑ کے تقیہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے ہو ں اور ساتھ ہی اگر معلوم ہو کہ امامؑ حالت تقیہ میں ہیں تو کوئی حرج نہیں امامؑ تقیہ کرسکتے ہیں ۔ [1]

---

۱ ۔ محمود یزدي؛ اندیشہ هاي کلامي شیخ طوسي، ص۳۳۳۔

۲۔ تقیہ، فرمان امام علیہ السلام پر عدم اعتماد کا باعث

شیعہ مخالف لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام وسیع پیمانے پر تقیہ کرنے لگیں تو یہ احتمال ساری روایات جو ان حضرات سے ہم تک پہنچی ہیں، میں پائی جاتی ہے کہ ہر روایت تقیہ کرکے بیان کی ہوں ۔ اس صورت میں کسی ایک روایت پر بھی ہم عمل نہیں کرسکتے ۔ کیونکہ کوئی بھی روایت قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام کا تقیہ کرنا کسی قواعد و ضوابط کے بغیر ہو تو یہ اشکال وارد ہے ۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ تقیہ کرنے کیلئے خواہ وہ تقیہ کرنے والا امام ہو یا عوام یا خواص ہو ، خاص شرائط ہیں اگر وہ شرائط نہ ہوں تو تقیہ کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے ۔ اور جب اماموں کے تقیہ کے علل و اسباب ان کو معلوم ہوجائیں تو یہ اشکال بھی باقی نہیں رہے گا ۔

۳۔تقیہ اور علم امام

علم امام علیہ السلام کے بارے میں شیعہ متکلمین کےدرمیان دو نظریے پائے جاتے ہیں: اور یہ اختلاف بھی روایات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے ۔

پہلا نظریہ:

قدیم شیعہ متکلمین جیسے ، سید مرتضي وغیرہ معتقدہیں کہ امام ؑتمام احکامات اور معارف اسلامی کا علم رکھتےہیں ۔ لیکن مختلف حادثات اور بعض واقعات جیسے اپنی رحلت کب ہوگی؟ یا دوسروں کی موت کب واقع ہوگی ؟و۔۔۔بصورت موجبہ جزئیہ ہے نہ موجبہ کلیہ ۔

دوسرا نظریہ:

علم امام علیہ السلام دونوں صورتوں میں یعنی تمام احکامات دین اور اتفاقی حادثات کے بارے میں بصورت موجبہ کلیہ علم رکھتے ہیں ۔ [1]

---

۱ ۔ کلیني؛ اصول کافي، ج ۱ ، ص ۳۷۶۔

بہر حال دونوں نظریہ کا اس بات پر اتفاق ھے کہ علم امام ﷺ احکام اور معارف اسلامي کے بارے میں بصورت موجبہ ہے ۔ وہ شبہات جو تقیہ اور علم امام سے مربوط ہے وہ بعض کے نزدیک دونوں بمنی میں ممکن ہے ۔ اور بعض کے نزدیک صرف دوسرے بمنی میں ممکن ہے ۔

پہلا اشکال:

تقیہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام تمام فقھي احکام اور اسلامي معارف کا علم نہیں رکھتے ہیں اور اس کی توجیہ کرنے اور روایات میں موجود اختلاف کو ختم کرنے کیلئے تقیہ کا سہارا لیتے ہیں۔

اس اشکال کو سلیمان ابن جریر زیدي نے مطرح کیا ہے ،جو عصر آئمہ علیہم السلام میں زندگی گزارتا تھا ۔وہ کہتا ہے کہ رافضیوں کے امام نے اپنے پیروکاروں کیلئے دو عقیدے بیان کئے ہیں۔ جن کی موجودگی میں کوئی بھی مخالف ان کے ساتھ بحث و مباحثہ میں نہیں جیت سکتا۔

پہلا عقیدہ بداء ہے ۔

دوسرا عقیدہ تقیہ ہے۔

شیعہ اپنے اماموں سے مختلف مواقع پر سوال کرتے تھے اور وہ جواب دیا کرتے تھے اور شیعہ ان روایات اور احادیث کو یاد رکھتے اور لکھتے تھے، لیکن ان کے امام، چونکہ کئی کئی مہینے یا سال گزرجاتے اور ان سے مسئلہ پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا؛ جس کی وجہ سے وہ پہلے دئے ہوئے جوابات بھی بھول جاتے تھے۔ کیونکہ اپنے دئے گئے جوابات کو یاد نہیں رکھتے تھے اس لئے ایک ہی سوال کے مختلف اور متضاد جوابات دئے جاتے تھے۔ اور شیعہ جب اپنے اماموں پر ان اختلافات کے بارے میں اشکال کرتے تھے تو توجیہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہمارے جوابات تقیۃً بیان ہوئے ہیں ۔ اور ہم جو چاہیں اور جب چاہیں جواب دے سکتے ہیں کیونکہ یہ ہمارا حق ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ کیا چیز تمہارے مفاد میں ہے اور تمہاری بقا اور سالمیت کس چیز میں ہے ۔ اور تمہارے دشمن کب تم سے دست بردار ہونگے ۔

سلیمان آگے بیان کرتا ہے: پس جب ایسا عقیدہ ایجاد ہوجائے تو کوئی بھی ان کے اماموں پر جھوٹے ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا ۔ اور کبھی بھی ان کے حق اور باطل میں شناخت نہیں کرسکتا۔ اور انھی تناقض گوئی کی وجہ سے بعض شیعیان ابو جعفر امام باقر علیہ السلام کی امامت کا انکار کرنے لگے ۔ [۱]

پس معلوم ہوا کہ دونوں بنی کے مطابق شیعوں کے اماموں کے علم پر یہ اشکال وارد ہے ۔

جواب:

امامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے امامان معصوم تمام احکام اور معارف الہي کے بارے میں کلی علم رکھتےہیں اس بات پر واضح دلائل بھی بیان کی گئی ہیں لیکن ممکن ہے وہ دلائل برادران اہل سنت کیلئے قابل قبول نہ ہوں۔

۱۔ نوبختي؛ فرق الشيعه

چنانچہ شیخ طوسي نے اپنی روایت کی کتاب تہذیب الاحکام کو انہی اختلافات کی وضاحت اور جواب کے طور پر لکھی ہے۔

علامہ شعراني اور علامہ قزویني یہ دو شیعہ دانشمند کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ شیعوں کے امام تقیہ نہیں کرتے تھے بلکہ تقیہ کرنے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتے تھے۔

علامہ شعراني کہتے ہیں: آئمہ تقیہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف امر بہ معروف کیا کرتے تھے کیونکہ اامامان تمام واقعیات سے باخبر تھے: اذا شائوا ان یعلموا علموا۔ کے مالک تھے ہمارے لئے تو تقیہ کرنا صدق آتا ہے لیکن آئمہ علیہم السلام کیلئے صدق نہیں آتا کیونکہ وہ لوگ تمام عالم اسرار سے واقف ہیں۔

علامہ قزویني فرماتے ہیں: آئمہ تقیہ نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ عالم تھے اور تمام اوقات اور وفات کی کیفیت اور نوعیت سے باخبر تھے۔ اس

لئے صرف ہمیں تقیہ کا حکم دیتے تھے ۔ [1]

اس شبہہ کا جواب

اولاً: علم امامؑ کے دوسرے مبنی پر یہ اشکال ہے نہ پہلے مبنی پر، کیونکہ ممکن ہے جو پہلے مبنی کا قائل ہے وہ کہے امامؑ اپنی موت اور مرنے کے وقت اور کیفیت سے آگاہ نہیں تھے ، اس لئے جان کے خوف سے تقیہ کرتے تھے ۔

ثانیاً : امامؑ کا تقیہ کرنا اپنی جان کے خوف سے نہیں بلکہ ممکن ہے اپنے اصحاب اور چاہنے والوں کی جان کے خوف سے ہو؛ یا اہل سنت کے ساتھ مدارات اور اتحاد کی خاطر تقیہ کئے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں تقیہ کبھی بھی جان یا مال کے خوف کے ساتھ مختص نہیں ہے ۔

۱۔ مجلہ نور علم، ش ۵۰ ۵۱، ص ۲۴ ۲۵۔

ثالثاً: جو لوگ دوسرے بنی کے قائل ھیں ممکن ھے کہہ دیں کہ امامؑ اپنی موت کے وقت اور کیفیت کا علم رکھتے تھے اور ساتھ ھی جان کا خوف بھی کھاتے اور تقیہ کے ذریعے اپنی جان بچانا چاھتے تھے ۔

ان دو شیعہ عالم دین پر جو اشکال وارد ھے یہ ھے، کہ اگر آپ آئمہ طاہرین کے تقیہ کا انکار کرتے ھیں تو ان تمام روایتوں کا کیا جواب دیں گے کہ جن میں خود آئمہ طاھرین تقیہ کے بہت سے فضائل بیان فرماتے ھیں اور ان روایتوں کا کیا کروگے جو امامؑ کے تقیہ کرنے کو ثابت کرتی ھیں؟!

علم امامؑ کے بارے میں مزید وضاحت

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا ءَاتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَ عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾۔[1]

"وہاں ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جسے ہم نے اپنے

---

۱ ۔ الکہف ۶۵۔

پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنی طرف سے علم سکھایا تھا"۔

علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیۃ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ جب اسے رسول خدا ﷺ نے قبیلہ بنی مصطلق کے پاس زکوۃ جمع کرنے بھیجا تو قبیلہ والے بھی اسی خوشی میں ان کے استقبال کے لئے نکلے۔ دور جاہلیت میں ولید اور ان قبیلہ والوں کے درمیاں دشمنی تھی ۔ اس نے سوچا وہ لوگ ان کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں، رسول خدا ﷺ کی طرف پلٹا اور کہنے لگا: انہوں نے زکات دینے سے انکار کیا۔ جبکہ یہ بالکل جھوٹ تھا ۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ بہت غضبناک ہوئے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے لے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس وقت یہ آیۃ نازل ہوئی ۔ (۱)

اس آیۃ شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بھی عام حالت میں علم غیبت نہیں رکھتے ہیں ورنہ جب وہ جھوٹ بولے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے تھا۔ ہاں

---

۱ ۔ مجمع البیان:۵/۱۳۲۔

اگر خود جاننا چاہیں تو ضرور آگاہ ہو سکتے ہیں۔

اس سے وہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ امامؑ علم غیب رکھتے ہوئے بھی زہر پی کر شہید ہوئے۔

امامؑ اور نبی کا سلسلہ خدا سے ملا ہوا ھے لذا وہ علم رکھتا ھے مگر بندوں کے ساتھ بندوں والا برتاو کرتا ھے اسی طرح امامؑ اور نبی بھی علم و قدرت رکھتے ھیں لیکن بندوں کے ساتھ معمولی عام برتاؤ کرتے ھیں اپنی قدرت استعمال نہیں کرتے، جیسے اللہ تعالیٰ بھی کبھی کبھی اپنی قدرت کی جھلکیاں دکھاتا ھے، جیسے نیل میں حضرت موسیٰ کیلئے راستہ پیدا کرنا اور پھر اسی نیل میں فرعون کو ڈبونا۔ ایسے ھی ائمہ اور انبیاء بھی کبھی کبھی طاقت کا اظہار کرتے ہوئے بددعا سے لوگوں کو متوجہ کردیتے ھیں کہ اگر چاھے تو یہ بھی کرسکتا ھے اسی سلسلے کی ایک کڑی کربلا ھے، جس میں امامؑ نے انسانیت کو معراج کا سیر کرایا، معمول کے مطابق زندگی گزار کر امتحان کی منزلوں سے گزرے ھیں۔

لیکن کبھی کبھی جیسے خدا بھی اپنی قدرت دکھاتا ھے ویسے ھی امامؑ بھی معجزے دکھاکر

اپنی طاقت دکھاتے ھیں۔ جیسے خدا نے خدا ھوکے حلم کا مظاھرہ کرتا ھے ویسے ھی امامؑ اور نبی، امامؑ ھوکر صبر کرتے ھیں لیکن صبر سے یہ نہ سمجھ لینا کہ مجبور تھے۔ کیونکہ مجبور صبر نہیں کرتا۔

اس سلسلے میں دو باتیں یاد دلاؤں: مولا نے شب عاشور کو انتظام کیا تھا کہ خیمے کے اطراف میں خندق کھودا جائے اور آگ جلائے جائیں تاکہ دشمن خیمے کے پشت سے حملہ آور نہ ھو سکے۔ اس وقت ایک ظالم اور ملعون آیا اور اپنی سنگدلی کا اظہار کیا جسے کس زبان سے بیان کروں؟ گستاخی کی: حسینؑ کیا تم نے دنیا میں ھی آگ تیار کرلی؟ یہاں امامؑ نے اپنی الٰہی طاقت کا مظاھرہ کرتے ھوئے ھاتھوں کو بلند کرکے بددعا کی کہ پالنے والے اسے جہنم کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ کا مزہ چکھا دے۔ اسی وقت کھوڑا خندق میں گرا اور وہ اسی میں جل گیا۔

ایک اور ملعون نکلا ش طبرسی یشہ کے جام میں پانی بھرا پھر حسینؑ کے خیموں کے قریب آیا اور جام کو ھلاتے ھوئے کہا: حسینؑ! یہ دیکھو پانی موجود ھے لیکن تم پیاسے ھو، تمہارے بچے پیاسے ھیں۔ اس وقت مولا نے بددعا کی پالنے والے اسے

ایسی پیاس دے دے جو بجھ نہ سکے ۔ گھوڑے کے رکاب سے گرا اور پیر رکاب میں پھنسا کھسیٹتا ھوا زخمی کردیا پھر آخر تک پیاس پیاس کہتے ھوئے جہنم واصل ھوا ۔ عزیزو اس ملعون کا گلاس میں پانی چھلکنا اکبر نے بھی دیکھا ھوگا قاسم نے بھی دیکھا ھوگا اور سقای حرم نے بھی دیکھا ھوگا ۔

۴۔تقیہ اور عصمت امامؑ

احکام اسلام کی تبلیغ اور ترویج میں ایک عام دیندار شخص سے بھی ممکن نہیں ھے کہ وہ کسی بات کو خدا اور رسول کی طرف نسبت دے دے ۔ تو یہ کیسے ممکن ھے کہ امامؑ تقیہ کرتے ھوئے ایک ناحق بات کو خدا کی طرف نسبت دے ؟! یہ حقیقت میں امامؑ کے دین اور عصمت سے انکار کرنے کا مترادف ھے ! ۔ [1]

---

۱ ۔ محسن امین، عاملي؛ نقض الوشیعہ ، ص ۱۷۹۔

جواب یہ ہے کہ اگر ہم تقیہ کی مشروعیت کو آیات کے ذریعے جائز مانتے ہیں چنانچہ اہل سنت بھی اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی نے تقیہ کو حکم کلی قرار دیا ہے۔ اور ہم بھی یہ نہیں کہتے کہ امام علیہ السلام نے حکم اولی کے عنوان سے اس بات کو خدا کی طرف نسبت دی ہے ؛ لیکن بعنوان حکم ثانوی کسی بات کو خدا کی طرف نسبت دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے ۔ جیسے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مجبور شخص کیلئے مردار کھانے کو بحکم ثانوی ، جائز قرار دیا ہے ۔

ثانیاً: شیعہ اپنے اماموں کو صرف راوی کی حیثیت سے قبول نہیں کرتے بلکہ انہیں خود شارعین میں سے مانتے ہیں ۔جو اپنے صلاح دید کے مطابق حکم جاری کرتے ہیں ۔

۵۔ بجائے تقیہ؛ خاموشی کیوں اختیار نہیں کرتے؟

اشکال: تقیہ کے موقع پر امامؑ بطور تقیہ جواب دینے کے بجائے خاموشی کیوں

اختیار نہیں کرتے تھے؟!

جواب :

اولاً: امام معصوم علیہ السلام نےبعض موارد میں خاموشی بھی اختیار کی ہے اور کبھی طفرہ بھی کیا ہے اور کبھی سوال اور جواب کو جابجا بھی فرمایا ہے۔

ثانیاً:سکوت خود تعریف تقیہ کے مطابق ایک قسم کاتقیہ ہے کہ جسے تقیہ کتمانیہ کہا گیا ہے ۔
ثالثاً: کبھی ممکن ہے کہ خاموش رهنا ، زیادہ مسئلہ کو خراب کرنے کاباعث بنے۔ جیسے اگر سوال کرنے والا حکومت کا جاسوس ہو تو اس کوگمراہ کرنے کیلئے تقیۃً جواب دینا هي زیادہ فائدہ مند ہے ۔ [1]
رابعاً: کبھی امامؑ کے تقیہ کرنے کے علل اور اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے

١ ۔ فخر رازي؛ محصل افکار المتقدمین من الفلاسفہ والمتکلمین،ص ١٨٢۔

واقعیت کے خلاف اظھار کرنا ضروری ھوتا ھے ۔ جیسے اپنے چاھنے والوں کی جان بچانے کی خاطر اپنے عزیزوں کو دشمنوں کے درمیان چھوڑنا ۔ اور یہ صرف اور صرف واقعیت کے خلاف اظھار کرکے ھی ممکن ہوتا ھے ۔اور کبھی دوستوں کی جان بچانے کیلئے ،اھل سنت کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ھوجانا۔چنانچہ امام موسي کاظم نے علي ابن یقطین کو اھل سنت کے طریقے سے وضو کرنے کا حکم دیا تھا ۔ (۱)

٦۔تقیہ کے بجائے توریہ کیوں نہیں کرتے ؟!

شبہہ:

امام علیہ السلام موارد تقیہ میں توریہ کرسکتے ھیں، تو توریہ کیوں نہیں کرتے ؟ تاکہ جھوٹ بولنے میں مرتکب نہ ھوں۔ (۲)

اس شبہہ کا جواب:

---

۱ ۔ فخر رازي؛ محصل افکار المتقدمین من الفلاسفہ والمتکلمین ص ۱۹۳۔

۲ ۔ وسائل شیعہ، ج۱، ص ۲۱۳۔

اولاً:تقیہ کے موارد میں توریہ کرنا خود ایک قسم کا تقیہ ہے ۔
ثانیاً: ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر امامؑ کیلئے ہر جگہ توریہ کرنے کا امکان ہوتا تو ایسا ضرور کرتے ۔
ثالثاً:بعض جگہوں پر امامؑ کیلئے توریہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

۷۔تقیہ اور دین کا دفاع

شبہہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نیک بندوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ، اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرنا ہے ۔اگرچہ اس راہ میں قسم قسم کی اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں ۔اور اہل بیتؑ بالخصوص ان ذمہ داری کو نبھانے کیلئے زیادہ حقدار ہیں ۔[۱]

---

۱ ۔ ابوالقاسم، آلوسي؛ روح المعاني،ج۳، ص۱۴۴۔

جواب:

آئمہ طاهرین نے جب بھی دین کیلئے کوئی خطرہ محسوس کیا اور اپنے تقیہ کرنے کو اسلام پر کوئی مشکل وقت آنے کا سبب پایا تو تقیہ کو ترک کرتے هوئے دین کی حفاظت کرنے میں مصروف رہے ۔ اور اس راہ میں اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا ۔ جس کا بہترین نمونہ سالار شہیدان اباعبداللہ کا دین مبین اسلام کا دفاع کرتے هوئے اپنی جان کے علاوہ اپنے عزیزوں کی جانوں کا بھی نذرانہ دینے سے دریغ نہیں کیا ۔

لیکن کبھی ان کا تقیہ کرنا اسلام پر ضرر پہنچنے ، مسلمانوں کا گروهوں میں بٹنے ، اسلام دشمن طاقتوں کے کامیاب هونے کا سبب بنتا تھاتو وہ لوگ ضرور تقیہ کرتے تھےچنانچہ اگر علي عليه السلام رحلت پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کے بعد تقیہ نہ کرتے اور مسلحانہ جنگ کرنے پر اترآتے تو اسلام خطرے میں پڑ جاتا ۔ اور جو ابھي ابھي مسلمان هو چکے تھے ، دوبارہ کفر کي طرف پلٹ جاتے ۔ کیونکہ امامؑ کو اگرچہ ظاهري فتح حاصل هوجاتي ؛ لیکن لوگ یہ بہتان باندھتے کہ انهوں نے پیغمبرؐ کے جانے کے

بعد ان کي امت پر مسلحانہ حملہ کرکے لوگوں کو اسلام سے متنفر کیا ۔

پس معلوم ھوا کہ آئمہ طاھرین کا تقیہ کرنا ضرور بہ ضرور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔

۸۔تقیہ « سلوني قبل ان تفقدوني» کے منافی

امام علي عليه‌السلام فرماتے ھیں : مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں ، اور تم مجھے پانہ سکو ۔

اس روایت میں سوال کرنے کا حکم فرمارھے ھیں ، جس کا لازمہ یہ ھے کہ جو کچھ آپ بطور جواب فرمائیں گے ، اسے قبول کرنا ھم پر واجب ھوگا؛ اور امام ؑ کا تقیہ کرنے کا لازمہ یہ ھے کہ بعض سوال کا امام ؑجواب نہیں دیں گے۔

جواب:

یہ امیر المؤمنین نے اس وقت فرمایا، کہ جب آپ برسر حکومت تھے ؛ جس وقت تقیہ کے سارے علل و اسباب مفقود تھے۔یعنی تقیہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔اور جو بھی سوال آپ سے کیا جاتا ،اس کا جواب تقیہ کے بغیر کاملاً دئے جاسکتے تھے۔ البتہ اس سنہرے موقع سے لوگوں نے استفادہ نہیں کیا۔

لیکن ہمارے دیگر آئمہ طاہرین کو اتنی کم مدت کا بھی موقع نہیں ملا۔یہی وجہ ہے کہ بقیہ اماموں سے ایسا جملہ صادر نہیں ہوا۔ اگرچہ شیعہ اور سنی سوال کرنے والوں کو احکام بیان کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی۔

امام سجاد علیہ السلام سے روایت ہے کہ ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہمارے شیعوں کے ہر سوال کا جواب دیدیں۔اگر ہم چاہیں تو جواب دیں گے، اور اگر نہ چاہیں تو گریز

کریں گے ۔ [(۱)]

۹۔تقیہ ، شجاعت کے منافی

اس شبہہ کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے سارے امام ؑ انسانیت کے اعلاترین کمال اور فضائل کے مرتبے پر فائز ہیں ۔ یعنی ہر کمال اور صفات بطور اتم ان میں پائے جاتے ہیں ۔ اور شجاعت بھی کمالات انسانی میں سے ایک ہے ۔

لیکن تقیہ اور واقعیت کے خلاف اظہار کرنا بہت سارے مواقع پر جانی خوف کی وجہ سے ہے ۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۴۳۔

اس کے علاوہ اس سخن کا مضمون یہ ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے رہنما اور امام بھیجے ہیں، جو اپنی جان کے خوف کی وجہ سے پوری زندگی حالت تقیہ میں گزاری ۔ [1]

جواب:

اولاً شجاعت اور تہور میں فرق ہے ۔ شجاعت حد اعتدال اوردرمیانی راہ ہے لیکن تہور افراط ہے اور بزدلی تفریط ۔اور شجاعت کا یہ معنی نہیں کہ بغیر کسی حساب کتاب کے اپنے کو خطرے میں ڈالدے ۔ بلکہ جب بھی کوئی زیادہ اہم مصلحت خطرے میں ہو تو اسے بچانے کی کوشش کرے۔

ثانیاً: ہمارے لئے یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ تقیہ کے سارے موارد میں خوف اور ترس ہی علت تامہ ہو ، بلکہ اور بھی علل و اسباب ہیں جن کی وجہ

---

١ ۔ کمال جوادي؛ ایرادات و شبہات علیہ شیعیان در ہند و پاکستان۔

سے تقیہ کرنے پر مجبور ھوجاتے ھیں ۔ جیسے اپنے ماننے والوں کی جان بچانے کی خاطر، کبھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ محبت اور مودت ایجاد کرنے کی خاطر تقیہ کرتے ھیں ۔جن کا ترس یا خوف سے کوئی رابطہ نہیں ھے ۔

ثالثاً: امامؑ کا خوف اپنی جان کے خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ دین مقدس اسلام کے مصالح اور مفاد کے مد نظر امامؑ خائف ھیں، کہ ایسا نہ ھو، دین کی مصلحتوں کو کوئی ٹھیس پہنچے ۔

اب اس اشکال یا بہتان (کہ آئمہ طاھرین نے اپنی آخری عمر تک تقیہ کیا ھے) کا جواب یہ ھے:

اولاً: یہ بالکل بیہودہ بات ھے اور تاریخ کے حقائق سے بہت دور ھے ۔کیونکہ ھم آئمہ طاھرین کی زندگی میں دیکھتے ھیں کہ بہت سارے موارد میں انہوں نے ظالم و جابر حکمرانوں کے ساتھ بہادرانہ طور پر جنگ و جہاد کیا ھے۔ چنانچہ امام موسی کاظم علیہ السلام نے اس وقت، کہ جب ھارون نے چاھا کہ باغ

فدک آپ کو واپس کرے ، ھارون الرشید کے کارندوں کے سامنے برملا عباسی حکومت کے نامشروع اورناجائز ہونے کا اعلان فرمایا ، اور مملکت اسلامی کی حدود کو مشخص کیا ۔

ثانیاً : ھدایت بشری صرف معارف اسلامی کا برملا بیان کرنے پر منحصر نہیں ھے ، بلکہ بعض اھم اور مؤثر افرادتک اپنی بات کو منتقل کرنا بھی کافی ہے جو سارے لوگوں تک آپ کا پیغام پہنچنے کا باعث بنتا ہے۔

۱۰۔تقیہ اور تحلیل حرام و تحریم حلال

شبہہ یہ ھے کہ اگراس بات کو قبول کرلیں کہ امامؑ بعض فقہی مسائل کا جواب بطورتقیہ دیں گے تو مسلماً ایسے مواردمیں حکم واقعی (حرمت و حلیت)بدل جائےگا ۔ اوریہ سبب بنے گا شریعت میں تحلیل حرام اور تحریم حلال

کا، یعني حرام حلال میں بدل جائے گا اورحلال حرام میں ۔۔۔[1]

اس شبہہ کا جواب یہ ھے کہ شیعوں کے نزدیک تقیہ سے مراد؛اضطراری حالات میں بعنوان حکم ثانوی ،آیات اور روایاتِ معصومین کی پیروی کرنا ھے ۔جیسا کہ قرآن مجید کا حکم ہے:

﴿ إِنَّما حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزيرِ وَ ما أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ باغٍ وَ لا عادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحيمٌ ﴾ ۔[2]

اس نے تمہارے اوپر بس مردار، خون، سورکا گوشت اور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیاجائے اس کو حرام قرار دیا ہے پھر بھی اگر کوئی مضطر ہوجائے اور حرام کا طلب گار اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے والا نہ ہوتو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔بے شک خدا بخشنے والا اورمہربان ہے ۔

---

۱ ۔ احسان الهي ظهیر؛السنۃ والشیعہ، ص ۱۳۶۔

۲ ۔ بقرہ،۱۷۳۔

تقیہ کا حکم بھی دوسرے احکام جیسے اضطرار، اکراہ، رفع ضرر اور حرج کی طرح ھے، کہ ایک معین وقت کیلئے حکم اولی کو تعطیل کرکے اس کی جگہ تقیہ والا حکم لگایا جاتا ھے ۔اور ان جیسے احکام ثانوی فقہ اھلسنت میں بھی ھر جگہ موجود ھیں۔

۱۱۔تقیہ ایک اختصاصي حکم ھے یا عمومي؟

اس حصے میں درج ذیل مسائل کي بررسی کرنے کي ضرورت ھے :

١. قانون تقیہ پر اعتقاد رکھنا کیا صرف شیعہ امامیہ کے ساتھ مختص ھے یا دوسرے مکاتب فکر والے بھی اس کے قائل ھیں ؟اور اسے ایک الٰہی قانون کی حیثیت سے قبول کرتے ھیں ؟!

٢. کیا تقیہ کوئی ایسا حکم ھے جو ھر جگہ اور ھر حال میں جائز ھے یا اس کے لئے بھی خاص زمان یا مکان اور دیگر اسباب کا خیال رکھنا واجب ھے ؟

۳. کیا حکم تقیہ ، متعلّق کے اعتبار سے عام ہے یا خاص ؟ یعنی سارے لوگ ایک خاص شرائط میں اس پر عمل کر سکتے ہیں ؟ یا بعض لوگ بطور استثنا ہر عام و خاص شرائط کے بغیر بھی تقیہ کر سکتے ہیں ؟ جیسے : پیغمبر علیہ السلام و امام علیہ السلام ؟

جواب:

دو احتمال ہیں :

۱ تقیہ ایک حکم ثانوي عام ہے کہ جس سے سارے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں ۔

۲ انبیاءؑ تقیہ سے مستثنی ہیں ۔ کیونکہ عقلی طور پر مانع موجود ہے ۔

شیخ طوسي اور اکثر مسلمانوں نے دوسرے احتمال کو قبول کیا ہے ۔ کہ پیغمبر علیہ السلام کیلئے تقیہ جائز نہیں ہے ۔ کیونکہ تقیہ کی شناخت ، علم صرف اور صرف پیغمبر علیہ السلام کے پاس ہے ۔

صرف پیغمبر اور ان کے فرامین کے ذریعے شریعت کی شناخت اور علم ممکن ہے ۔ پس جب پیغمبر علیہ السلام کیلئے تقیہ جائز ہو جائے تو ہمارے لئے کوئی اور راستہ

باقی نہیں رھتا جس کے ذریعے اپنی تکلیف اور شرعی وظیفہ کو پہچان لیں اور اس پر عمل کریں ۔ [1]

اسی لئے فرماتے ھیں: فلا يجوز علي الانبياء قبائح و لا التقية في اخبارهم لانّه يؤدي الي التشكيك۔ [2]

انبیاء کیلئے نہ عمل قبیح جائزہے اور نہ اپنی احادیث بیان کرنے میں تقیہ جائزہے۔کیونکہ تقیہ آپ کے فرامین میں شکوک و شبہات پیدا ھونے کا باعث بنتا ھے۔ اور جب کہ ھم پر لازم ھے کہ پیغمبر ﷺ کی ھر بات کی تصدیق کریں ۔ اگر پیغمبر ﷺ کے اعمال شرعی وظیفے کو ھمارے لئے بیان نہ کریں اور ھمیں حالت شک میں ڈال دیں؛ تو یہ ارسال رسل کی حکمت کے خلاف ھے ۔ پس پیغمبر ﷺ

---

۱ ۔ محمودیزدي؛ اندیشه هاي کلامي شیخ طوسي،ص۳۲۸۔

۲ ۔ التبیان ،ج۷،ص ۲۵۹۔

کے لئے جائز نہیں کہ تقیہ کی وجہ سے ہماری تکالیف کو بیان نہ کریں ۔

شیخ طوسي پر اشکال : اگر ھم اس بات کے قائل ھوجائیں کہ پیغمبر ﷺ کیلئے تقیہ جائز نہیں ھے تو حضرت ابراھیم کا نمرود کے سامنے بتائی گئی ساری باتوں کیلئے کیا تأویل کریں گے کہ بتوں کو آنحضرت ھی نے توڑ کر بڑے بت کی طرف نسبت دی ؟!اگر اس نسبت دینے کو تقیہ نہ مانیں تو کیا توجیہ ھو سکتی ھے ؟!

شیخ طوسي نےدو توجیہ کے ضمن میں اس اشکال کا جواب دیا ھے:

۱ ۔ بل فعلہ کو«ان کانوا ینطقون»کے ساتھ مقید کیا ہے۔یعني اگر یہ بت بات کرتا ھے تو ان بتوں کوتوڑنے والا سب سے بڑا بت ھے ۔جب کہ معلوم ھے کہ بت بات نہیں کرسکتا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چاھتے تھے کہ نمرود کے چیلوں کو یہ بتا دیں کہ اگر تم

لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہو تو یہ حالت ہوگی ۔ پس آپ کا یہ فرمانا: « ﴿ بل فعله كبيرهم ﴾» الزام کے سوا کچھ نہیں اور « ﴿ اني سقيم ﴾» سے مراد یہ کہ تمہارے گمراہ ہونے کی وجہ سے میں روحی طور پر سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا:« ﴿ انّكم لسارقون ﴾» کہنا بھی تقیہ ہی تھا ، ورنہ جھوٹ شأن نبوت سے دور ہے ۔ (۱)

تمام انبیاء الٰہی کے فرامین میں توریہ شامل ہے اور توریہ کرنا کوئی مشکل کا سبب نہیں بنتا ۔ اور توریہ بھی ایک قسم کا تقیہ ہے ۔

ثانیاً انبیاء الٰہی کے یہ فرامین احکام شرعی بیان کرنے کے مقام میں نہیں ہیں ۔

۱۔ التبیان ، ، ص ۲۶۰۔

۱۲۔کیوں بعض آئمہ طاہرینؑ نے تقیہ کیا اور بعض نے نہیں کیا ؟!

یہ سوال ھمیشہ سے لوگوں کے ذھنوں میں ابھرتا رھتا ھے کہ کیوں بعض آئمہؑ اور ان کے چاھنے والوں نے تقیہ کیا اور خاموش رھے ؟! لیکن بعض آئمہؑ نے تقیہ کو سرے سے مٹادیا اور اپنی جان تک کی بازی لگائی ؟!

وہ لوگ جو مجاھدین اسلام کی تاریخ ، خصوصاً معاویہ کی ذلت بار حکومت کے دور کا مطالعہ کرتے تو ان کو معلوم ھوتا ،کہ تاریخ بشریت کا سب سے بڑا شجاع انسان یعنی امیر المؤمنین علیہ السلام کا چھرہ مبارک نقاب پوش ھوکر رہ گیا ۔ جب یہ ساری باتیں سامنے آتی ھیں تو یہ سوال ذھنوں میں اٹھتا ھے کہ کیوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی کے باوفا دوستوں کے دوچھرے کاملاً ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں :

ایک گروہ:

جو اپنے زمانے کے ظالم و جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ کرنے پر اتر آتے ھیں؛ جیسے میثم تمارؓ ، حجر بن عدیؓ، عبداللہؓ وغیرہ۔ اسی طرح باقی آئمہؑ کے بعض چاھنے والوں نے دشمن اور حاکم وقت کے قید خانوں میں اپنی زندگیاں رنج و غم میں گزارتے ھوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔اور وحشت ناک جلادوں کا خوف نہیں کھایا، اور عوام کو فریب دینے والے مکار اور جبار حاکموں کا نقاب اتار کر ان کا اصلی چہرہ لوگوں کے سامنے واضح کردیا۔

یہی وجہ ہے کہ علی کی محبت کے جرم میں کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی اسلام دشمن عناصر لوگوں (داعش) نے شام میں صحابی رسول حجر بن عدی کی قبر کو مسمار کرکے ان کی لاش نکال کر ان کی بے حرمتی کی گئی۔

دوسرا گروہ:

باقی آئمہ طاھرین کے ماننے والوں اور دوستوں میں بہت سارے، جیسے علی ابن یقطینؓ بڑی احتیاط کے ساتھ ھارون الرشید کے وزیراور مشیر

بن کر رہے !

جواب :

اس اشکال کا جواب امامیہ مجتہدین اور فقہاء دے چکے ہیں : کہ کبھی تقیہ کو ترک کرتے ہوئے واضح طور پر ما فی الضمیر کو بیان کرنا اور اپنی جان کا نذرانہ دینا واجب عینی ہوجاتا ہے ؛ اور کبھی تقیہ کو ترک کرنا مستحب ہوجاتا ہے ۔ اور اس دوسری صورت میں تقیہ کرنے والے نے نہ کوئی خلاف کام کیا ہے ، نہ ان کے مد مقابل والے نے تقیہ کو پس پشت ڈال کر فداکاری اور جان نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ، جام شہادت نوش کرکے کوئی خلاف کام کیا ہے اسی دلیل کی بنا پر میثم تمارؓ، حجربن عدیؓ اوررشید هجریؓ جیسے عظیم اور شجاع لوگوں کو ہمارے اماموںؑ نے بہت سراہا ہے ، اور اسلام میں ان کا بہت بڑا مقام ہے ۔

ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے ، جنہوں نے اپنے حقوق سے ھاتھ اٹھائے ہیں اور معاشرے میں موجود غریب اور نادار اور محروم لوگوں کی حمایت کرتے

ھوئے ان پر خرچ کیا ھے، اور خود کو محروم کیا ھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ فداکاری اور محرومیت کو قبول کرنا ؛ سوائے بعض موارد میں، واجب تو نہیں تھا ۔ کیونکہ جو چیز واجب ھے وہ عدالت ھے نہ ایثار۔ لیکن ان کا یہ کام اسلام اور اھل اسلام کی نگاہ میں بہت قیمتی اور محترم کام شمار ھوتا ھے ۔اور یہ احسان کرنا اس بات کی دلیل ھے کہ احسان کرنے والا عواطف انسانی کی آخری منزل طے کرچکا ھے ۔جو دوسروں کو آرام و راحت میں دیکھنے کیلئے خودمحرومیت کو اختیار کرے ۔

پس تقیہ کو ترک کرتے ھوئے اپنی جانوں کو دوسرے مسلمانوں اور مؤمنوں کےآرام اور راحت کی خاطر فدا کرنا بھی ایسا ھی ھے ۔اور یہ اس وقت تک ممکن ھے، جب تک تقیہ کرنا وجوب کی حد تک نہ پہنچا ھو ۔ اور یہ پہلا راستہ ھے ۔

دوسرا راستہ یہ ھے کہ لوگ ماحول اور معاشرہ نیز وقعت اور حیثیت کے اعتبار سے مختلف ھوتے ھیں ۔ اگر پست معاشرہ اور ماحول میں زندگی گزار رھے ھوں، جیسے معاویہ کا دور ھے ؛اس کی غلط پروپیگنڈا اور اس کے کاسہ لیسوں اور مزدوروں اور بعض دین فروشوں کی جھوٹے پروپیگنڈوں کی وجہ سے اسلام کے حقائق اور معارف معاشرے سے بالکل محو ھوچکے تھے ۔اور لوگ اسلامی اصولوں سے بالکل بے خبر تھے ۔اور امیر المؤمنین علیہ السلام کا انسان ساز مکتب بھی اپنی تمام تر خصوصیات کے باوجود، کالعدم کردیا گیا ، اور پردہ خفا میں چلا گیا ۔اور اس ظلمانی پردے کو چاک کرکے اسلامی معاشرے کو تشکیل دینے کیلئے عظیم قربانی کی ضرورت تھی ۔ایسے مواقع پر راز فاش کرنا ضروري تھا ، اگرچہ جان بھی دینا کیوں نہ پڑے ۔

حجر بن عديؓ اور ان کے دوستوں کے بارے میں جنھوں نے معاویہ کےدور میں مہر سکوت کو توڑ کر علی علیہ السلام کی محبت کا اظھار کرتے ھوئے جام شہادت

نوش فرمائي؛اور ان کی طوفانی شہادت اور شہامت اس قدر مؤثر تھی کہ پورے مکہ اور مدینہ کے علاوہ عراق میں بھی لوگوں میں انقلاب برپا کیا؛ جسے معاویہ نے کبھی سوچا بھي نہ تھا۔ اورچودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی وہابی ٹولے نے۱۴۳۴ ھ میں محبت امیر المومنین ؑ کے جرم میں اس مردمؤمن کے جسم کو قبر سے نکال کر بے حرمتی کا نشانہ بنایا۔

امام حسین علیہ السلام نے ایک پروگرام میں، معاویہ کے غیراسلامی کردار کو لوگوں پر واضح کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا:
الست قاتل حجر بن عدي اخا كنده ؛ والمصلين العابدين الذين كانوا ينكرون الظلم و يستعظمون البدع و لا يخافون في الله لومة لائم!

اے معاویہ! کیا تو وھي شخص نہیں، جس نے قبیلہ کندہ کے عظیم انسان (حجربن عدی) کو نماز گزاروں کے ایک گروہ کے ساتھ بے دردی سے شہید کیا؟ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ظلم اور ستم کے خلاف آوازاٹھاتے اور بدعتوں اور خلاف شرع کاموں سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے، اور ملامت کرنے والوں کی کوئی پروا نہیں کرتے

تھے ؟!۔ [1]

ج: شیعوں کے تقیہ سے مربوط شبہات

- تقیہ شیعوں کے اصول دین میں سے ہے۔
- تقیہ شیعوں کی بدعتوں میں سے ہے۔
- تقیہ پیروي از آئمہ اطہار سے تناقض رکھتا ہے۔
- تقیہ زوال دین کا موجب ہے۔
- فتواي امام علیہ السلام تقیہ کی صورت میں قابل تشخیص نہیں۔
- تقیہ شیعوں کا خوف اور اضطراری حالت ہے۔
- تقیہ کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے نہ مسلمانوں کے ساتھ ۔

---

١ ۔مکارم شیرازي؛ تقیہ مبارزہ عمیقتر، ص ١٠٧۔

۱۔تقیہ شیعوں کی بدعت

شبہہ پیدا کرنے والے کا کہنا ہے کہ :تقیہ شیعوں کی بدعت ہے جو اپنے فاسد عقیدے کو چھپانے کی خاطر کرتے ہیں۔ [۱]

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اس نے بدعت کے معنی میں غلطی کی ہے۔جب کہ مفردات راغب نے بدعت کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: البدعة هي ادخال ما ليس من الدين في الدين۔ [۲]بدعت سے مراد یہ ہے کہ جوچیز دین میں نہیں، اسے دین میں داخل کرنا ۔اور گذشتہ مباحث سے معلوم ہوا کہ تقیہ دین کی ضروریات میں سے ہے ۔کیونکہ قرآن اور احادیث آئمہ علیہم السلام میں واضح طورپر بیان ہوا ہے کہ تقیہ

۱۔ فہرست ایرادات و شبہات علیہ شیعیان در ہند و پاکستان، ص ۳۶۔

۲۔ راغب اصفہاني؛ مفردات، بدع۔

کو اهل تشیع اور اهل سنت دونوں مانتے هیں اور اس کے شرعی هونے کو بهی مانتے هیں ۔

لهذا، تقیہ نہ بدعت هے اور نہ شیعوں کا اختراع ،کہ جس کے ذریعے اپنا عقیدہ چهپایا جائے، بلکہ یہ الله اور رسول کا حکم هے۔

گذشتہ مباحث سے معلوم هوا کہ تقیہ دین کا حصہ هے کیونکہ وہ آیات جن کو شیعہ حضرات اسلام کا اهم جزء جانتے هیں، ان کي مشروعیت کو ثابت کرچکے هیں اور اهل سنت نے بهي ان کي مشروع هونے کا في الجملہ اعتراف کیا هے۔ اس بنا پر، نہ تقیہ بدعت هے اور نہ شیعوں کا اپنا عقیدہ چهپانے کیلئے اختراع هے۔

۲۔تقیہ، مکتب تشیع کا اصول دین ؟!

بعض لوگوں کا اپنے مخالفین کے خلاف مہم چلانے اور ان کو شکست دینے کیلئے جو خطرناک اور وحشتناک راستہ اختیار کرتے هیں، ان میں سے ایک یہ هے کہ ان کو متہم کرنا هے اور ایسی تہمتیں لگاتے هیں، جن سے وہ لوگ مبری هیں ۔ اگرچہ عیوب کا ذکر کرنا معیوب نہیں هے ۔

ان لوگوں میں سے ایک ابن تیمیہ هے ؛ جو کہتا هے کہ شیعہ تقیہ کو اصول دین میں سے شمار کرتے هیں ۔ جبکہ کسی ایک شیعہ بچے سے بھی پوچھ لے تو وہ بتائے گا : اصول دین پانچ هیں :

اول : توحید۔ دوم :عدل سوم: نبوت ۔چہارم:امامت ۔پنجم : معاد۔

لیکن وہ اپنی کتاب منہاج السنہ میں لکھتا هے : رافضي لوگ اسے اپنا اصول دین میں شمار کرتے هیں ۔ایسی باتیں یا تہمتیں لگانے کی دو هی وجہ هوسکتی هیں:

۱۔ یا وہ شیعہ عقائد سے بالکل بے خبر ہے ؛ کہ ہو ہی نہیں سکتا ۔ کیونکہ مذہب تشیع کا اتنا آسان مسئلہ ؛ جسے سات سالہ بچہ بھی جانتا ہو ، ابن تیمیہ اس سے بے خبر ہو ۔ کیونکہ ہمارے ہاں کوئی چھٹا اصل بنام تقیہ موجود نہیں ہے ۔

۲۔ یا ابن تیمیہ اپنی ہوا وہوس کا اسیر ہوکر شیعوں کو متہم کرنے پر تلا ہوا ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طریقے سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرے اوراسلام اور مسلمین کی قوت اور شان و شکوکت کو متزلزل کرے ۔

اس قسم کی بیہودہ باتیں ایسے لوگوں کی خوشی کا سبب بن سکتی ہیں، جو کسی بھی راستے سے شیعیان علی ابن ابی طالب کی شان شوکت کو دنیا والوں کے سامنے

گھٹاتے اور لوگوں کو مکتب حقہ سے دور رکھتے ۔ (۱)

جب کہ خود اهل سنت بھی تقیہ کے قائل هیں اور ان کے علماء کا اتفاق اور اجماع بھی هے ، کہ تقیہ ضرورت کے وقت جائز هے ۔چنانچہ ابن منذر لکھتا هے:

اجمعوا علي من اکره علي الکفر حتي خشي علي نفسه القتل فکفر و قلبه مطمئن بالايمان انه لا يحکم عليه بالکفر ۔ (۲)

اس بات پر اجماع هے کہ اگر کوئی کفر کا اظهار کرنے پر مجبور هو جائے ، اور جان کا خطره هو تو ایسی صورت میں ضرور اظهار کفر کرے ۔جبکہ اس کا دل ایمان سے پر هو ، تو اس پر کفر کا فتوا نهیں لگ سکتا ۔یا وه کفر کے زمرے میں داخل نهیں هو سکتا ۔

۱۔ عباس موسوي؛ پاسخ و شبهاتي پیرامون مکتب تشیع، ص۱۰۲۔

۲۔ دکترناصربن عبدالله؛ اصول مذهب شیعه، ج ۲، ص ۸۰۷۔

ابن بطال کہتا ھے : واجمعوا علي من اكره علي الكفر واختار القتل انه اعظم اجرا عندالله !یعنی علماء کا اجماع ھے کہ اگر کوئی مسلمان کفر پر مجبور ھوجائے ، لیکن جان دینے کو ترجیح نہ دے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اجر اور ثواب ھے ۔

خود اھل سنت تقیہ کے جائز ھونے کو قبول کرتے ھیں ۔ لیکن جس معنی ٰمیں شیعہ قائل ھیں ، اسے نہیں مانتے ۔ ان کے نزدیک تقیہ ، رخصت یا اجازت ھے ، لیکن شیعوں کے نزدیک ، ارکان دین میں سے ایک رکن ھے ۔ جیسے نماز۔ اور بعد میں امام صادق علیہ السلام کی روایت کو نقل کرتے ھیں، جو پیغمبر اسلام (ص) سے منسوب ھے ۔ قال الصادق علیہ السلام : لو قلت له تارك التقيه كتارك الصلوة ۔ اس کے بعد کہتے ھیں کہ شیعہ صرف اس بات پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ کہتے ھیں : لا دين لمن لا تقية له ۔ [1]

---

۱ ۔ دکتر ناصر بن عبداللہ؛ اصول مذھب شیعہ، ج ۲، ص ۸۰۷۔

۳۔تقیہ، زوال دین کا موجب ؟!

کہا جاتا ہے کہ تقیہ زوال دین اور احکام کی نابودی کا موجب بنتا ہے ۔ لہذا تقیہ پر عمل نہیں کرنا چاھئے ۔اور اس کو جائز نہیں سمجھنا چاھئے ۔

.

جواب:

تقیہ ، احکام پنجگانہ میں تقسیم کیا گیا ہے :واجب ، حرام ، مستحب ، مکروہ ، مباح۔

حرام تقیہ، دین میں فساد اور ارکان اسلام کے متزلزل ہونے کا سبب بنتا ہے ۔ بہ الفاظ دیگر جو بھی اسلام کی نگاہ میں جان، مال ، عزت، ناموس وغیرہ کی

حفاظت سے زیادہ مہم ہو تو وہاں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے ، بلکہ حرام ہے ۔ اور شارع اقدس کا بھی یہی حکم ہے ۔ کیونکہ عقل حکم لگاتی ہے کہ جب بھی کوئی اہم اور مہم کے درمیان تعارض ہوجائے تو اہم کو مقدم رکھاجائے ، اور اگر تقیہ بھی موجب فساد یا ارکان اسلام کے متزلزل ہونے کا سبب بنتا ہے تو وہاں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے ۔

آئمہ طاہرین سے کئی روایات ہم تک پہنچی ہیں کہ جو اس بات کی تائید کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ بعض اوقات تقیہ کرنا حرام ہے ۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فكل شيئ يعمل المؤمن بينهم لمكان التقية مما لا يؤدي الي الفساد في الدين فانّه جائز۔ [1]

ہر وہ کام جو مؤمن تقیہ کے طور پر انجام دیتے ہیں ؛ اگر دین کیلئے کوئی

۱۔ وسائل الشیعہ ، ج ۶، باب ۲۵، ص ۴۶۹۔

ضرر یا نقصان بھی نہ ہو، اور کوئی فساد کا باعث بھی نہ ہو؛ تو جائز ہے۔

امام صادق علیہ السلام کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ بطور مطلق حرام نہیں ہے بلکہ وہ تقیہ حرام ہے جو زوال دین کا سبب بنتا ہو۔

لیکن وہ تقیہ واجب یا مباح یا مستحب ہے جو زوال دین کا سبب نہیں بنتا۔ اور یہ مکتب تشیع کا نظریہ ہے۔

۴۔امام کی پیروي اور تقیہ کے درمیان تناقض

شبہہ یہ ہے کہ شیعہ آئمہ علیہم السلام کی پیروی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ آئمہ طاہرین نے تقیہ نہیں کیا ہے؛ جیساکہ علی علیہ السلام نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی، اور امام حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف جہاد کیا۔[۱]

۱۔ موسي موسوي؛ الشیعه والتصحیح، ص۶۹۔

اس شبہہ کا جواب :

اولاً :شیعہ نظریے کے مطابق تقیہ ایسے احکام میں سے نہیں کہ ہر حالت میں جائز ہو ، بلکہ اسے انجام دینے کیلئے تقیہ اور اظہار حق کرنے کے درمیان مصلحت سنجی کرناضروري ھے کہ تقیہ کرنے میں زیادہ مصلحت ھے یا تقیہ کو ترک کرنے میں زیادہ مصلحت ھے ؟

آئمہ طاهرین بھی مصلحت سنجی کرتے اور عمل کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر کی دونوں مثالوں میں تقیہ کو ترک کرنے میں زیادہ مصلحت پائی جاتی تھیں لہذا دونوں اماموں ؑ نے تقیہ کو ترک کیا ۔ اگر امیرالمؤمنین علیہ السلام ابوبکر کی بیعت کرتے تو ان کی خلافت کو قبول کرنا اور اپنی امامت اور خلیفہ بلافصل کا انکار کرنا ثابت ہوتاہے اسی طرح اگر امام حسین علیہ السلام تقیہ کرتے اوریزید کی بیعت کرتے تو اپنے جد امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین کا نام ونشان باقی نہ رہتا ، کیونکہ یزید نے منبر سے برملا کہہ دیا تھا :

لعبت بنوهاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل۔

نہ کوئی قرآن نازل ہوا ہے اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی ہے بلکہ بنی ہاشم والوں نے حکومت کرنے کے لئے ایک کھیل کھیلا ہے ۔

ثانیا: شیعہ سارے اماموںؑ کی پیروي کرنے کو واجب سمجھتے ھیں ۔ اور ھمارے سارے آئمہؑ نے بعض جگھوں پر تقیہ کیا ھے اور بعض جگھوں پر تقیہ کو ترک کیا ھے ۔ بلکہ اس سے بھی بالاتر کہ بعض مقامات پر تقیہ کرنے کا حکم دیا ھے۔ یہ اس بات کی دلیل ھے کہ ان کی زندگی میں کتنی سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔

ثالثاً: تقیہ کے بہت سے موارد، جہاں خود آئمہ علیہم السلام نے تقیہ کرنے کو مشروع قرار دیا ھے، جن کا تذکرہ گزرچکا ہے۔

رابعاً: شبہہ پیدا کرنے والا خود اعتراف کررھا ھے کہ حضرت علي علیہ السلام نے فقط چھ ماہ بیعت کرنے سے انکار کیا پھر بعد میں بیعت کرلی ۔ یہ خود

دلیل ھے کہ حضرت علي علیہ السلام کی سیرت میں بھی تقیہ موجود ھے ۔

۵۔تقیہ اورفتواي امام علیہ السلام کي تشخیص

اس کے بعد کہ قائل ھوگئے کہ آئمہ علیہم السلام بھی تقیہ کرتے تھے؛ درج ذیل سوالات ، اس مطلب کی ضمن میں کہ اگر امامؑ حالت تقیہ میں کوئی فتوا ی دیدیں، تو کیسے پہچانیں گے کہ تقیہ کي حالت میں فتوا دے رھے ھیں یا عام حالت میں ؟!

جواب:

اس کی پہچان تین طریقوں سے ممکن ھے :

١. امامؑ کا فتوی ایسے دلیل کے ساتھ بیان ھوجو حالت تقیہ پر دلالت کرتی ھو ۔

٢. فتوای دینے سے پہلے کوئی قرینہ موجود ھو ، جو اس بات پر دلالت کرے

کہ حالت تقیہ میں امامؑ نے فتوی دیا ہے ۔

۳. امام علیہ السلام قرینہ اور دلیل کو فتوای صادر کرنے کے بعد ،بیان کریں کہ حالت تقیہ میں مجھ سے یہ فتوای صادر ھوا ہے ۔

٦۔ تقیہ اور شیعوں کا اضطراب!

تقیہ،جبن و اضطراب کادوسرا نام ھے ،اور شجاعت اور بہادری کے خلاف ھے۔ جس کی وجہ سے اپنے قول و فعل میں، اورظاھر و باطن میں اختلاف کی صورت میں ظاھر ھوتی ھے ۔اور یہ صفت ، رزائل اخلاقی کے آثار میں سے ھے اور اس کی سخت مذمت ھوئی ھے؛ لھذا خود امام حسین علیہ السلام نے کلمہ حق کی راہ میں تقیہ کے حدود کو توڑ کر شہادت کیلئے اپنے آپ کو تیار کیا ۔ [1]

۱۔ دکتر علي سالوس؛ جامعہ قطربين الشيعہ و السنہ،ص۹۲۔

جواب:

اگر شیعوں میں نفسیاتي طورپر جبن، اضطراب اور خوف پایا جاتا توظالم بادشاهوں کے ساتھ ساز باز کرتے ، اور کوئی جنگ یا جهاد کرنے کی ضرورت هی پیش نهیں آتی ۔ یہ لوگ بھی درباری ملاؤں کی طرح اپنے اپنے دور کے خلیفوں کے هاں عزیز هوتے ۔اور تقیہ کی ضرورت هی پیش نہ آتی۔

اس سے بڑھ کر کیا کوئی شجاعت اور بہادری ہے کہ جس دن اسلام کی رهبری اور امامت کا انتخاب هونے والا تھا ؛ اس دن لوگوں نے انحرافی راستہ اپناتے هوئے نا اهل افراد کو مسند خلافت پر بٹھادیا ۔ اس دن سے لیکر اب تک شیعوں کا اور شیعوں کے رهنماؤں کا یہی نعرہ اور شعار رها هے کہ هر طاغوتی طاقتوں کے ساتھ ٹکرانا هے اور مظلوموں کی حمایت کرنا هے اور اسلام سے بےگانہ افراد کی سازشوں کو فاش کرنا هے ۔

اگرچہ شیعہ تقیہ کی بنیاد پر حرکت کرتے هیں ؛ لیکن جهاں بھی اس بات

کی ضرورت پیش آئی کہ ظالم اور جابر کے خلاف آواز اٹھانا ھے؛ وھاں شیعوں نے ثابت کردیا ھے کہ اسلام اور مسلمین اور مظلوموں کی حمایت میں اپنا خون اور اپنے عزیزوں کی جان دینے سے بھي دریغ نھیں کیا۔

شیعوں کا آئیڈیل یہ ھے کہ اسلام ھمیشہ عظمت اور جلالت کے مسند پر قائم رھے اور امت اسلامی کے دل اور جان میں اسلام کی عظمت اور عزت باقی رھے۔

مسلمان یہ بھی یاد رکھیں! کہ تاریخ بشریت کا بہترین انقلاب؛ شیعہ انقلاب رھا ھے۔ اور دنیا کے پاک اور شفاف ترین انقلابات، جو منافقت، دھوکہ بازی، مکر و فریب اور طمع و لالچ سے پاک رھیں؛ وہ شیعہ انقلابات ھیں جن میں مسلمان عوام اور حکومت کی عظمت اور عزت مجسم ھوچکی تھی۔ اور طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں اس مکتب کے ماننے والوں کو عزت ملی اور شیعہ، طاغوتی طاقتوں اور حکومتوں کو برکات اور خیرات کا مظھر ماننا تو درکنار، بلکہ ان کے ساتھ ساز باز کرنے سے پرھیز

کرتے تھے ۔ ہم کچھ انقلابات کا ذکر کریں گے ، جن کو آئمہ طاہرین نے سراھتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے دعائیں کی ھیں ۔کیونکہ کسی بھی قوم کی زندگی اوربقا کا راز انہی انقلابات میں ہے ۔ جن میں سے بعض یہ ھیں:

- زید ابن علي کا انقلاب۔
- محمدبن عبداللہ کا حجازمیں انقلاب۔
- ابراھیم بن عبداللہ کا بصرہ میں انقلاب۔
- محمدبن ابراھیم و ابو السرایا کا انقلاب۔
- محمددیباج فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کا انقلاب۔
- علي ابن محمد فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کا انقلاب۔

اسی طرح دسیوں اور انقلابات ھیں ، کہ جن کی وجہ سے عوام میں انقلاب اورشعورپید ا

هوگیا ہے ۔ اورپوری قوم کی ضمیر اور وجدان کو جگایا ہے ۔ [1]

امامان معصوم ان انقلابات کو مبارک اور خیر وبرکت کا باعث سمجھتے تھے ۔اور ان سپہ سالاروں کي تشویق کرتے تھے ۔راوي کہتا ہے :

فَدَخَلْنَا عَلَى الصَّادِقِ وَ دَفَعْنَا إِلَيْهِ الْكِتَابَ فَقَرَأَ وَ بَكَى ثُمَّ قَالَ إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ عِنْدَ اللَّهِ أَحْتَسِبُ عَمِّي إِنَّهُ كَانَ نِعْمَ الْعَمُّ إِنَّ عَمِّي كَانَ رَجُلًا لِدُنْيَانَا وَ آخِرَتِنَا مَضَى وَ اللَّهِ عَمِّي شَهِيداً كَشُهَدَاءَ اسْتُشْهِدُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ وَ عَلِيٍّ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ ۔ [2]

جب امام صادق علیہ السلام کو زیدابن علی کی شہادت کی خبر ملی تو کلمہ استرجاع کے بعد فرمایا :میرے چچا واقعاً بہترین اور عزیز ترین چچا ھیں ۔ اور ھمارے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں چاھنے والے ھیں ۔ خدا کی قسم ! میرے چچا ایسے شہید ھوئے

---

۱ ۔ علي عباس موسوي؛ پاسخ شبهاتي پيرامون مكتب تشيع ، ص۹۷۔

۲ ۔ بحارالأنوار ،ج ۴۶،ص ۱۷۵ باب ۱۱- أحوال أولاده و أزواجه ۔

ھیں، جیسے رسول خدا ﷺ ، علی اور حسین کے رکاب میں شہید ہو چکے ھوں ۔خدا کی قسم ! انہوں نے شہادت نوش فرمائی ھے ۔

ایسے کلمات آئمہ معصومین سے صادر ھوئے ھیں، اور یہ بہت دقیق تعبیریں ھیں کہ جو شیعہ تفکر کی عکاسی کرتی ھیں کہ ھر ظالم و جابر حکمران کو غاصب مانتے تھے ۔اور ھر حاکم، شیعہ کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ جانتے تھے ۔

ھم زیادہ دور نہیں جاتے، بلکہ اسی بیسویں صدی کا انقلاب اسلامی ایران پر نظر ڈالتے ہیں؛ کیسا عظیم انقلاب تھا ؟! کہ ساری دنیا کے ظالم وجابر؛ کافر ھو یا مسلمان ؛طاغوتی قوتیں سب مل کر اسلامی جمہوریہ ایران پر حملہ آور ھوئیں؛ اگرچہ ظاھراً ایران اور عراق کے درمیان جنگ تھی، لیکن حقیقت میں اسلام اور کفر کے درمیان جنگ تھی ۔ کیونکہ عالم کفر نے دیکھا کہ اگر کوئی آئین یا مکتب ، ان

کیلئے خطرناک ہے ، تو وہ اسلام ناب محمدی ﷺ اور اس کے پیروی کرنے والے ھیں ۔ اسی لئے باطل طاقتیں اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ ، اسلام ناب محمدی ﷺ کے علمبرداریعنی خمینی بت شکن اور ان کے انقلاب کو سرکوب کرنے پر اتر آئے ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کیا اور اسلامی جمھوریہ ایران کی ایک فٹ زمین بھی چھین نہ سکے، جبکہ صدام نے مغرورانہ انداز میں کہا تھا کہ ایک ھفتے کے اندر اندر تہران میں وارد ھونگے اور ظھرانہ تہران میں جشن مناتے ہوئے کھائیں گے ۔

آج پوری دنیا میں اگر اسلام کا کوئی وقار اور عزت نظر آتی ہے تو انقلاب اسلامی کی وجہ سے ہے ۔

آئیں؛ اس انقلاب سے بھی نزدیکتر دیکھتے ھیں کہ مکتب اھل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں نے کس طرح حقیقی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ بہادرانہ طور پر مقابلہ

کیا اور دشمن کے سارے غرور کو خاک میں ملاتے ہوئے، شکست دی ؟! میرا مقصد؛ شیعیان لبنان (حزب اللہ اور ان کے عظیم لیڈر، سید حسن نصر اللہ) ھیں ۔ جو کردار، خمینی بت شکن □ نے امریکا اور اسرائیل کے مقابلے میں دنیا کے مستضعفوں کی حاکمیت قائم کرنے میں ادا کیا، وھی کردار سید حسن نصر اللہ نے جنایت کار اور خون خوار اسرائیل کے ساتھ ادا کیا۔

مناسب ھے کہ اس بارے میں کچھ تفصیل بیان کروں ،تاکہ دنیا کے انصاف پسند لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ تقیہ کے دائرے کو توڑ کر دشمن کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے والا کون تھا ؟!

رھبر انقلاب اسلامي حضرت امام خميني□ نے ایک تحقیر آمیز انداز میں اسرائیل کی حیثیت کو دنیا کے سامنے واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا: کہ اگر دنیا کے سارے مسلمان متحد ہو کر ایک ایک گلاس پانی پھینکیں تو اسرائیل اس صفحہ ھستی

سے مٹ جائے گا ۔ دنیا کے بہت سارے دانشمندوں اور روشن فکروں نے اس بات کا مزاق اڑایا تھا ، لیکن حزب اللہ لبنان کی تجربات اور مہارت نے یہ بات دنیا کے اوپر واضح کردی کہ اسرائیل کی حکومت ھزاروں ایٹمی میزائیلوں اور بموں اور جدید ترین ھتھیاروں کے رکھنے کے باوجود بھی ایک باایمان اور مختصر گروہ کے سامنے بے بس ھوکر اپنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ھوگیا ۔ اور شیشے کے درودیوار والے محل اور بنگلوں میں رھنے والے چھوٹے چھوٹے فلسطینی بچوں کے غلیل کی زد میں آکر پریشان اور بیچین نظر آنے لگے۔

آج پوری دنیا میں خمینی بت شکن کے افکار اور نظریات پھیل چکے ھیں ؛ جس کا مصداق اور نمونہ اتم ، سید حسن نصر اللہ اور حزب اللہ لبنان کی شکل میں نظر آتا ھے ۔ اور آپ کے اس فرمان کی ترجمانی کرتے ھوئے سید حسن نصراللہ نے کہا: واللہ انّ هي(اسرائيل) اوهن من بيت العنكبوت؛ خدا کی قسم یہ اسرائیل مکڑی کی جال سے بھی زیادہ نازک اور کمزور ھے ۔ یہ کہہ کر امام خمینی کے اس

جملے (اسرائیل کو اس صفحہ ھستی سے مٹ جانا چاھئے) کی صحیح ترجمانی کی ۔

ھاں ! سید حسن نصر اللہ کیلئے یہی باعث فخر تھا کہ رھبر معظم و مرجع عالی قدر حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ کے بازوؤں کا بوسہ لیتے ھوئے ، دنیا پر واضح کررھے تھے کہ میں امام زمان (عج) کے نائب برحق کے شاگردوں میں سے ایک ادنیٰ شاگرد ھوں۔ اس مرد مجاھد نے لبنان کے سارے بسنے والوں کو ؛ خواہ وہ مسلمان ھو یا غیر مسلمان ، شہادت طلبی کا ایسا درس دیا کہ سارے مرد ، عورت ، چھوٹے بڑوں نے ان کی باتوں پر لبیک کہہ کر کلمہ لاالٰہ الا اللہ کی سربلندی کے لئے شہادت کی موت کو خوشی سے گلے لگایا ۔ یہی حزب اللہ کی جیت کی اصل وجہ تھی ۔ اور یہ ثابت کردیا کہ مکتب اھل بیت کے ماننے والے ھی رھبری کے لائق ھیں ۔

آج پوری دنیا نے یہ محسوس کرلیا ھے ، خصوصاً جوانوں نے ، کہ حزب

اللہ ، شیعہ ھے ، اور ان کی مکتب حقہ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے لگے ھیں ، جس کا نتیجہ یہ نکلا ھے کہ حقیقی اسلام کی شناخت کیلئے دروازہ کھل گیا ھے ۔

نیویورک ٹائمز لکھتا ھے کہ : سید حسن نصر اللہ نے اسرائیل کے ساتھ جنگ کرکے اپنی اور اپنی ٹیم کی شخصیت اور وقار کو حد سے زیادہ بلند و بالا کیا ھے ۔ اور جو چیز صفحہ تاریخ سے مٹادینے کے قابل ھے، وہ مصر کا صدر جمال عبد الناصر کا یہودیوں کو سمندر میں پھینک دینے کا خالی اور کھوکھلا دعویٰ اور صدام کا آدھا اسرائیل کو جلانے کا جھوٹا دعویٰ تھا ؛ ان دنوں صدام کے بڑے بڑے پوسٹرز پاکستان کے مختلف شہروں کی سڑکوں پر بکنے لگے ۔ اور صدام کو صلاح الدین ایوبی کا لقب دینے لگے ۔ لیکن اس نے اسرائیل کے اوپر حملہ کرنے کی بجائے کویت پر حملہ کر کے مسلمانوں کا مال اور خزانہ لوٹ کر سب سے بڑا ڈاکو بن گیا ۔

لیکن ان کے مقابلے میں دیکھ لو کہ سید حسن نصر اللہ، ایک عالم دین

کے لباس میں محاذ جنگ پر ایک فوجی جرنیل کا کردار ادا کرتے ھوئے اپنی ٹیم کا کمانڈ کرتے ھوئے نظر آتے ھیں ۔

نیویورک ٹائمز مزید لکھتا ھے کہ : وہ مشرق وسطي کا سب سے بڑا قدرت مند انسان ھے ۔یہ بات عرب ممالک کے کسی ایک وزیر اعظم کے مشیر نے اس وقت کہی کہ جب سید حسن نصر اللہ ٹی وی پر خطاب کررھے تھے ۔پھر وہ مشیر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہتا ھے کہ وہ جو وعدہ کرتے ہیں وہ اسے ضرور پورا کرتے ھیں ۔

خود اسرائیل کے ذرائع ابلاغ نے اعلان کردیا تھا کہ ۳۳ روزہ جنگ میں ۱۲۰ اسرائیلی فوج کو قتل اور ۴۰۰ کوشدید زخمی کردیئے ہیں، جن میں سے بھی اکثر مرنے کے قریب ہیں۔اسی طرح ۵۰ یہودی دیہاتی بھی حزب اللہ کے میزائلوں کی زد میں آکر مرے ہیں، اور ۲۵۰۰ افراد زخمی ہوگئے ہیں ۔حزب اللہ نے یہ کر

دکھایا کہ اس مختصر مدت میں ۱۲۰ میرکاوا ٹینک ، ۳۰ زرھی ، ۲ آپاچی ھیلی کو پٹرز کو منہدم کردیا ۔

غربی سیاستمداروں ، وایٹ ھاوس کے حکمران لوگ ، شروع میں حزب اللہ کی اس مقاومت اور مقابلے کو بہت ھی ناچیز اور کم سمجھ رہے تھے ، اور ان کا یہ تصور تھا کہ ایک ھفتے کے اندر اندر حزب اللہ پسپا ھوجائے گا ، اور اسرائیل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ھوجائے گا ۔یہی وجہ تھی کہ پہلے دو ھفتے تک تو نہ اقوام متحدہ کی جانب سے اعتراض ھوا اور نہ وائٹ ھاؤس کی جانب سے ، اور نہ کوئی سازمان کانفرنس اسلامي عرب لیگ کی جانب سے ، نہ اس جنگ کو روکنے کی بات ھوئی ؛ صرف یہ لوگ تماشا دیکھتے رہے ، اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ تھي کہ ایک دفعہ بھی اسرائیل کی ان جنایات اور غانا میں بچوں اور عورتوں کے قتل عام کرنے پر ، ایک احتجاجی جلسہ بھی عرب لیگ میں منعقد نہیں ھوا !!

جب امریکہ کی وزیر خارجہ مس کونڈولارائس سے جنگ بندی کیلئے تلاش کرنے کی اپیل کی؛ تاکہ لبنان خون خرابہ میں تبدیل نہ ہو؛ تو اس نے بڑی نزاکت کے ساتھ کہا تھا: کوئی بات نہیں، بچہ جننے کیلئے اس کی ماں کو درد زہ برداشت کرنا پڑتا ہے، اسی طرح ہم اس کرہ زمین پر ایک جدید مشرق وسطی کے وجود میں لانے کیلئے کوشاں ہیں، جس کا وجود میں آنے کیلئے کوئی ایک ملک جیسے (لبنان) خون خرابہ میں تبدیل ہوجائے تو ہونے دو کیونکہ یہ ایک طبیعی چیز ہے !!

اس بیان کے جواب میں سید حسن نصر اللہ نے مناسب اور منہ توڑ جواب دیتے ہوئے کہا: ہم بھی اس ناجائز طریقے سے وجود میں آنے والے بچے کو دنیا میں قدم رکھتے ہی گلا دبا کر ماردیں گے ۔

تیسرے ہفتے میں دھیمے دھیمے الفاظ میں بعض ممالک کے رہنماؤں اور سیاسی لیڈروں کے منہ کھلنے لگے ۔ اقوام متحدہ کے اٹارنی جرنیل ، جیسے طولانی خواب سے بیدار ہوا ہو، سمجھنے لگا کہ لبنان میں کوئی معمولی حادثہ رونما ہوا ہے ۔

تیسرے ھفتے کے آخر میں جب حزب اللہ ، اسرائیل کے چار بحری کشتیوں کو منہدم کرنے میں کامیاب ھوئے ، اور اسرائیل اپنے کسی بھی ایک ھدف کو پہنچ نہیں پایا ؛ تو امریکہ ؛ جو کسی بھی صورت میں شورائے امنیت کا جلسہ تشکیل دینے کیلئے حاضر نہ تھا ، ایک دم وہ جنگ بندی کرنے کی خاطر اتفاق رأئے کے ساتھ شق نمبر ۱۷۰۱ کے مطابق ، میدان میں اتر آیا ؛ کیونکہ اسرائیل نے امریکہ اور دوسرے ممالک کی طرف سے دئے ھوئے تمام تر جدید میزائل ، بمب اور دوسرے سنگین اسلحے سے لیس ھونے کے باوجود ؛ حزب اللہ کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیے تھے، اور مزید سیاسی امداد کیلئے ھاتھ پھیلا رہا تھا ۔ اس ضرورت کو امریکہ ، قطعنامہ کے ذریعے جبران کرنا چاھتا تھا ۔

مکتب اھل بیت کے ماننے والوں کے یہ سارے انقلابات ، شیعوں کی شجاعت ، دلیری اور بہادری کو ثابت کرتے ھیں ۔ اور یہ سارے انقلابات ، اپنی ذاتی مفاد

کی خاطر نہیں تھے ، بلکہ اللہ تعالی کے ارادے کو حاکم بنانا اور ظلم و ستم کو ختم کرنا مقصود تھا ۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ھے کہ بعض مسلم ممالک کے مفتی حضرات ؛ جیسے سعودی عرب کے مفتی بن جبرین ، اور مصر کے درباری ملا ، طنطاوی ، نے فتویٰ دیا تھا کہ حزب اللہ کی مدد کرنا ، بلکہ ان کے لئے دعا کرنا بھی جائز نہیں ھے اور حرام ھے ؛ کیونکہ وہ لوگ شیعہ ھیں ۔ اسي طرح سعودی حکومت بھي اسرائیل کے جنگی طیاروں کو لبنان پر حملہ کرنے کیلئے پیٹرول (فیول) دیتی رھی ۔
اور جب مسلمانوں کی طرف سے یہ لوگ دباؤ میں آئے تو اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ھوئے اپنی قوم اور ملت کے سامنے معافی مانگنے پر مجبور ھو گئے ۔ اور مفتی بن جبرین نے اپنے ویب سایٹ پر غلطی کا اعتراف کرتے ھوئے معافی مانگ لی ، اور کہا : جو کچھ مجھ سے پہلے نقل ھوا ھے وہ میرا قدیم اور پرانا نظریہ تھا ؛ ابھی میرا جدید نظریہ یہ ھے کہ یہ حزب اللہ ، وھی حزب اللہ ھیں جس کا ذکر

قرآن مجید میں آیا ہے ۔ اور ہم انہیں دوست رکھتے ھیں اور ان کیلئے دعا بھی کرتے ھیں ۔ اور طنطاوي نے بھی جب جامعۃ الازھر کے اساتذہ نے ان کے اوپر اعتراض کئے تو ان کے سامنے کہا: جو کچھ میں نے پہلے بتایا تھا وہ میرا اپنا ذاتی نظریہ نہیں تھا بلکہ حکومت کی طرف سے کہلوایا تھا ۔ اور میرا ذاتی نظریہ ان کے بارے میں یہ ھے کہ حزب اللہ کے مجاھدین، اس وقت اسلام ، مسلمین اور عرب امت کی عزت اور کرامت کے لئے اسرائیل کے ساتھ لڑ رھے ھیں ، لہذا ان کی حمایت کرنا ضروری ھے ۔

آج کے دور میں سارے عرب ممالک میں محبوب ترین اسلامی شخصیت ، سید حسن نصر اللہ کو ٹھہرایا جاتا ھے ۔ اور ھر بچہ ، جو پیدا ھوتا ھے ؛ اس کا نام حسن نصر اللہ رکھ رھے ھیں ۔ یہ بہت دلچسپ بات تھی کہ اس سال جب ماہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور لوگ روزہ رکھنے لگے ؛ مصر میں بہترین اور اعلیٰ درجے کے خرما یا کھجور کا نام حسن نصر اللہ رکھا گیا ؛تا کہ روزہ دار، افطاری کے وقت حسن

نصر اللہ کو دعائیں دیں اور خراب کھجور کا نام بش اور بلر رکھا گیا۔

یہ وہ تاریخی حقائق ھیں، جن سے کوئی بھی اھل انصاف انکار نہیں کرسکتا۔ اور ان حقیقتوں سے لوگ جب آشنا ھوجاتے ھیں تو خود بخود مذھب حقہ کی طرف مائل ھوجاتے ھیں، بشرطیکہ درباری ملاؤں کی طرف سے مسلمانوں کو کوئی رکاوٹ درپیش نہ ھو۔

اب ھم ان سے سوال کرتے ھیں کہ آپ کوئی ایک نمونہ پیش کریں جو آپ کے کسی سیاسی یا مذھبی رھنما نے ایسا کوئی انقلاب برپا کیا ھو، اور اپنی شجاعت کا ثبوت دیا ھو، تاکہ ھم بھی ان کی پیروی کریں! اور ھمیں یقین ھے کہ وہ لوگ نہ اسلام سے پہلے اور نہ اسلام کے بعد، کوئی ایسی جوان مردی نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ انہیں اپنی جوان مردی دکھانے کی ضرورت ھی نہیں پڑی؛ جو ھمیشہ ظالم و جابر حکمرانوں کے کوڑوں اور تلواروں سے محفوظ رھے ھیں۔ کیونکہ وہ لوگ ھمیشہ

حاکموں کے ہم پیالہ بنتے رہے ھیں اوران کی ہر قسم کے ظلم و ستم کی تائید کرتے رہے ھیں ۔ جس کی وجہ سے تقیہ کا موضوع ھی منتفی ھوجاتا ھے ۔

اگر شیعہ علما بھی ان کی طرح حکومت وقت کی حمایت کرتے اور ان کے ھاں میں ھاں ملاتے رہتے تو ان کو بھی کبھی تقیہ کی ضرورت پیش نہ آتی ۔بلکہ ان کیلئے تقیہ جائز بھی نہ ھوتا ، کیونکہ تقیہ جان اور مکتب کی حفاظت کی خاطر کیا جاتا ھے ، اور جب ان کی طرف سے جان اور مال کی حفاظت کی گارنٹی مل جاتی تو تقیہ کرنے کی ضرورت ھی نہیں رهتی ۔

۷۔تقیہ کافروں سے کیا جاتا ھے نہ کہ مسلمانوں سے

اشکال کرتے ھیں کہ تقیہ کافروں سے کیا جاتا ھے نہ کہ مسلمانوں سے ۔ کیونکہ قرآن مجید میں تقیہ کا حکم کافروں سے کرنے کا ھے نہ کہ مسلمانوں سے ۔ چنانچہ

فرمایا:

﴿ لاَّ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاء مِن دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ إِلاَّ أَن تَتَّقُواْ مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللهِ الْمَصِيرُ ﴾۔ [1]

خبردار صاحبانِ ایمان !مؤمنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اور یہ تقیہ ابتدائے اسلام میں تھا ، لیکن شیعہ حضرات ، اهل حدیث سے تقیہ کرتے هیں ۔

پہلا جواب:

یہ شیعیان حیدر کرار کی مظلومیت تھی کہ جو مسلمانوں سے بھی تقیہ کرنے اور اپنا عقیدہ چھپانے پر مجبور ھوگئے ۔ اور یہ نام نہاد

۱۔ سورہ مبارکہ آلعمران/۲۸۔

مسلمانوں کیلیئے لمحہ فکریہ ھے کہ وہ اپنے اعمال اور کردار اور عقیدے پر نظر ثانی کریں ۔ جو کافروں والا کام اوربرتاؤ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتا ھو، کیونکہ اگر تقیہ کرنے کی وجہ اور علت کو دیکھا جائے تو معلوم ھوجاتا ھے کہ نتیجہ یہی نکلتا ھے، اور وہ دشمن کی شر سے دین، جان اور مال کی حفاظت کرنا ھے

دوسرا جواب:

ظاھر آیہ اس بات پر لالت کرتی ھے کہ تقیہ ان کافروں سے کرنا جائز ھے جو تعداد یا طاقت کے لحاظ سے مسلمانوں سے زیادہ قوی ھوں ۔

لیکن شافعی مذھب کے مطابق اسلامی مختلف مکاتب فکر سے تقیہ کرنا جائز ھے ۔ کیونکہ شافعی کے نزدیک مجوز تقیہ، خطر ھے، خواہ یہ خطر کافروں سے ھو یا مسلمانوں سے ھو؛ فخر رازی آیۃ شریفہ

﴿ لا ان تتقوا منهم تقاة ﴾

کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ تقیہ کافروں کے مقابلے میں مباح ہے

(الا ان مذهب الشافعی ان الحالة بین المسلمین اذا شاکلت الحالة بین المشرکین حلت التقیه محاماة علی النفس)۔ (۱)

اسی طرح تفسیر نیشاپوری کہ جو تفسیر طبری کا حاشیہ ہے لکھتا ہے :

(قال الامام الشافعی:تجوز التقیة بین المسلمین کما تجوز بین الکافرین محاماة عن النفس)۔ (۲)

شیعہ مسلمانوں کے ھاتھوں بہت سی سختیوں اور مشکلات کو تحمل کرنے پر مجبور ھوئے ھیں ۔ اور یہ مظلومیت ،شہادت علي ابن ابي طالب علیہ السلام کے بعد سے شروع ھوئی ۔ ان دوران میں بنی امیہ کے کارندوں نے شیعہ مردوں عورتوں ، چھوٹے بڑوں ، حتی کہ شیعوں کے کھیتوں اور حیوانات پر بھی رحم نہیں کیا ۔آخر کار انہیں بھی آگ لگادی گئی۔

جب معاویہ اریکہ قدرت پر بیٹھا تو شیعیان علي علیہ السلام کو سخت سے

۱۔ فخر رازی؛ تفسیر کبیر،ج۸،ص۱۳۔

۲۔ تفسیر نیشاپوری(حاشیہ تفسیر الطبری)،ج۳،ص۱۱۸۔

سخت قسم کی اذیتیں پہنچانا شروع کیں۔ اور ان کی زندگی تنگ کردی ۔ اور اس نے اپنے ایک کارندے کو خط لکھا : کہ میں علی اور اولاد علی کے فضائل بیان کرنے والوں سے اپنی ذمہ بری کرتا ھوں ، یعنی انہیں نابود کرتا ہوں۔

یہی خط تھا کہ جس کی وجہ سے ان کی نماز جماعت اور جمعہ کے خطیبوں نے علی پر ممبروں سے لعن طعن کرتے ھوئے ان سے اظھار برائت کرنے لگے ، یہ دور، کوفہ والوں پر بہت سخت گزرا، کیونکہ اکثر کوفہ والے علی کے ماننے والے تھے ۔ معاویہ نے زیادبن سمیہ کو کوفہ اور بصرہ کی حکومت سپرد کی ، یہ ملعون شیعوں کو خوب جانتا تھا ، ایک ایک کرکے انہیں شہید کرنا ، ھاتھ پیر ، کان اورزبان کاٹنا ، آنکھیں نکالنا اور شہر بدر کرنا شروع کیا ۔

اس کے بعد ایک اور خط مختلف علاقوں میں بانٹنا شروع کیا ؛ جس میں اپنے کارندوں اور حکومت والوں کو حکم دیا گیاکہ شیعوں کی کوئی گواھی قبول نہ کریں ۔

سب سے زیادہ دشواری اور سختی عراق، خصوصاً کوفہ والوں پر کی جاتی تھی ؛ کیونکہ وہ لوگ اکثر شیعیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے ۔ اگر یہ لوگ کسی معتبر شخص کے گھر چلے جاتے تو ان کے غلاموں اور کنیزوں سے بھی احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا ؛ کیونکہ ان کے اوپر اعتماد نہیں کرسکتے تھے ۔ اور انہیں قسم دلاتے تھے کہ ان اسرار کو فاش نہیں کریں گے ۔ اور یہ حالت امام حسن مجتبیٰ کے دور تک باقی رھی ، امام مجتبیٰ کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام پر زندگی اور تنگ کردی ۔

عبدالملک مروان کی حکومت شروع ھوتے اور حجاج بن یوسف کے بر سر اقتدار آتے ھی ، دشمنان امیر المؤمنین علیہ السلام ھر جگہ پھیل گئے اور علی کے دشمنوں کی شأن میں جعلی احادیث تحریر کرنے ، اور علی علیہ السلام کی شأن میں گستاخی کرنے لگے ۔ اور یہ جسارت اس قدر عروج پر تھی کہ عبدالملک بن قریب جو اصمعي کا دادا تھا ؛ عبدالملک سے مخاطب ھوکر کہنے لگا : اے امیر! میرے والدین نے مجھے عاق کردیا ھے اور سزا کے طور پر میرا نام علی رکھا ھے ۔ میرا کوئی مددگار نہیں ،

سوا ے امیر وقت کے ۔ اس وقت حجاج بن یوسف ھنسنے لگا اور کہا: جس سے تو متوسل ھوا ھے؛ اس کی وجہ سے تمھیں فلاں جگہ کی حکومت دونگا ۔ (۱)

امام باقر علیہ السلام شیعوں کی مظلومیت اور بنی امیہ کے مظالم کے بارے میں فرماتے ھیں: یہ سختی اور شدت معاویہ کے زمانے اور امام مجتبي علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس قدر تھی کہ ھمارے شیعوں کو کسی بھی بہانے شہید کیا جاتا تھا اور ھاتھ پاؤں کاٹے جاتے اور جو بھی ھماری محبت کا اظہار کرتا تھا ان سب کو قید کرلیا جاتا تھا اور ان کے اموال کو غارت کرتے تھے ۔ اور گھروں کو آگ لگاتے تھے ، یہ دشواری اور سختی اس وقت تک باقی رھی کہ عبید اللہ جو امام حسین علیہ السلام کا قاتل ھے کے زمانے میں حجاج بن یوسف اقتدار پر آیا تو سب کو گرفتار کرکے مختلف تہمتیں لگا کر شہید کردیا گیا ۔اور اگر کسی پر یہ گمان پیدا ھوجائے ، کہ شیعہ ھے ، تو اسے قتل کیا جاتا تھا ۔ (۲)

---

۱ ۔ عباس موسوي؛ پاسخ و شبهاتي پيرامون مكتب تشيع، ص۸۶۔

۲ ۔ ابن ابي الحديد؛ شرح او، ج ۱۱ ص۴۴۔

یہ تو بنی امیہ کا دور تھا اور بنی عباس کا دور تو اس سے بھی زیادہ سخت دور اھل بیت ؑ کے ماننے والوں پر آیا ۔ چنانچہ شاعر نے علیکے ماننے والوں کی زبانی یہ آرزو کی ھے ، کہ اے کاش ، بنی امیہ کا دور واپس پلٹ آتا !:

فياليت جور بني مروان دام لنا   و كان عدل بني العباس في النار

اے کاش ! بنی امیہ کا ظلم و ستم ابھی تک باقی رھتا اور بنی عباس کا عدل و انصاف جھنم کی آگ میں جلتا ۔

جب منصور سن ۱۵۸ھ میں عازم حج ھوا کہ وہ اس کی زندگی کا آخری سال تھا ؛ ریطہ جو اپنے بھائی سفاح کی بیٹی اور اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) تھی ، اسے اپنے پاس بلا کر سارے خزانے کی چابیاں اس کے حوالے کردیں اور اسے قسم دلائی کہ اس کے خزانے کو کسی کیلئے بھی نہیں کھولے گي ۔ اور کوئی ایک بھی اس کے راز سے باخبر نہ ھو ، حتی کہ اس کا بیٹا محمد بھی ، لیکن جب اس کی موت کی خبر ملی تو محمد اور اس کی بیوی جا کر خزانے کا دروازہ کھولا ، بہت ھی وسیع اور عریض کمروں میں پہنچے ، جن میں علی کے ماننے والوں کی کھوپڑیاں اور جسم کے ٹکڑے اور

لاشیں ملیں ۔اور هر ایک کے کانوں میں کوئی چیز لٹکی هوئی تھی کہ جس پر اس کا نام اور نسب مرقوم تھا ۔ ان میں بچے، نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے ۔ الا لعنة الله علي القوم الظالمين!۔ محمد نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ مضطرب هوا اور اس نے حکم دیا کہ ان تمام لاشوں کو گودال کھود کر اس میں دفن کیا جائے ۔ [1]

بنی عباس کے بادشاهوں نے علی علیہ السلام کے فضائل بیان کرنے والے شاعروں کی زبان کاٹی ، اور ان کو زندہ درگور کیا اور جو پہلے مر چکے تھے ان کو قبروں سے نکال کر جسموں کو جلادیا ۔ ان سب کا صرف ایک هي جرم تھا ؛ اوروہ محبت علی کے سوا کچھ اورنہ تھا ۔

شیعیان آفریقا ،معاذ ابن بادیس کے دور میں سنہ ۴۰۷ ھ میں سب

۱۔ عباس موسوي؛ پاسخ و شبهاتي پيرامون مكتب تشيع،ص۸۷۔

کو شہید کیا گیا اور حلب کے شیعوں کو بھی اسی طرح بے دردی سے شہید کیا گیا۔

اهل انصاف! خود بتائیں کہ ان تمام سختیوں ، قید و بند کی صعوبتوں اور قتل و غارت ،کے مقابلے میں اس مظلوم گروہ نے اگر تقیہ کر کے اپني جان بچانے کي کوشش کي، تو کیا انہوں نے کوئی جرم کیا؟!!
اور یہ بتائیں کہ کون سا گروہ یا فرقہ ھے ؛جس نے شیعوں کی طرح اتنی سختیوں کو برداشت کیا ھو ؟!!

خاتمہ: جمع بندی اور نتیجہ گیری

اگرچہ مقدمہ میں اس کتاب کا نچوڑ بیان گیا ہے پھر بھی جمع بندی اور نتیجہ کے طور پر کچھ اختتامی کلمات بیان کرتے ہیں: یہ کتاب ایک مقدمہ اورچھ فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل کلیات تقیہ ہے، جس میں تقیہ کی تعریف، اقسام، آثار، فوائد اور شرائط بیان کیا گیا ہے۔

دوسری فصل تاریخ تقیہ سے مربوط ہے، جس میں اسلام سے پہلے [حضرت آدمؑ سے لے کر اصحاب کہف تک] اور اسلام کے بعد [حضرت ابوطالبؑ سے لے کر آئمہ طاہرینؑ اور امام زمانؑ کے خاص نائبین تک کے] موارد شامل ہیں۔

تیسری فصل میں مذاہب اہل سنت اور تقیہ سے مربوط واقعات بیان کئے گئے ہیں، جن میں حضرت عمر سے لے کر امام مالک، امام شافعی، حنفی اور حنبلی تک اور پھر امام بخاری سے لے کر وہابی علمائے رجال تک بیان کیا گیا ہے۔

چوتھی فصل میں تقیہ کے جائز ہونے پر قرآن کریم اور سنت نبوی سے، ساتھ ہی

عقلی ، اور فطری دلائل بطور تفصیل بیان کیا گیا ہے۔

پانچویں فصل میں تقیہ کے حرام ہونے اور واجب ہونے کے موارد کو جداگانہ ذکر کیا گیا ہے۔

چھٹی فصل جو اہم ترین فصل شمار ہوتی ہے جس میں ابن تیمیہ و امثال آن کی طرف سے کیئے گئے اشکالات اور شبہات کو تین حصوں [الف:تشریع تقیہ ، امام معصوم اور شیعیان حیدر کرارؑ] میں تقسیم کرکے ان کا مدلل جواب دیا گیاہے ۔ امید رب العزت ہے کہ یہ مطالب آپ اور میرے لئے مفید اور باعث ہدایت اور ثبات قدم ہو اور ساتھ ہی آپ سے یہ امید بھی رکھی جاتی ہے کہ اس میں جو بھی نقائص آپ کی نظر مبارک سے گزرے ، اس کی نشاندہی کرکے بندہ حقیر کی اصلاح فرمائیں گے۔ اور مفید پیشنہادات سے نوازیں گے۔

اگر ایک جملہ میں ان بحثوں کا نچوڑ بیان کرنا چاہے تو یوں کہیں گے : کہ جو لوگ شیعوں پر تقیہ کا تہمت لگا کر مذمت کرتے ہیں وہ لوگ خود قابل مذمت ہیں جو دوسروں کو تقیہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

اس کا فیصلہ اہل انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ مذمت کے قابل ہم ہیں یا وہ لوگ۔
پہلے تحریر ہوا ہے کہ تقیہ کہاں واجب ھے؟ کہاں مستحب ھے ؟ اور کہاں حرام ھے؟ اور کہاں مکروہ و مباح ہے؟یہاں ہم بطور خلاصہ ان موارد کو بیان کریں گے تا کہ مکمل طور پر واضح ہو سکے :

تقیہ کا واجب ہونا :

تقیہ کرنا اس وقت واجب ہوجاتا ھے کہ جب بغیر کسی فائدے کے اپنی جان خطرے میں پڑجائے ۔

تقیہ کا مباح ہونا:

تقیہ اس صورت میں مباح ہوجاتا ھے کہ اس کا ترک کرنا ایک قسم کا دفاع اور حق کی تقویت کا باعث ہو۔ ایسے مواقع پر انسان فداکاری کرکے اپنی جان بھی دے سکتا ھے ،اسی طرح اسے یہ بھی حق حاصل ھے کہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہو کر اپنی جان بچائے ۔

تقیہ کا حرام ہونا:

اس صورت میں تقیہ کرنا حرام ہوجاتا ھے جب باطل کی ترویج، گمراھی کا سبب، اور ظلم وستم کی تقویت کا باعث بنتا ہو۔ایسے موقعوں پر جان کی پروا نہیں کرنا چاھئے اورتقیہ کو ترک کرنا چاھئے ۔اور ھر قسم کی خطرات اور مشکلات کو تحمل کرنا چاھئے ۔

ان بیانات سے واضح ہواہے کہ تقیہ کی حقیقت کیا ھے اور شیعوں کا عقلی اور منطقی نظریہ سے بھی واقف ہوجاتا ھے ، اس ضمن میں اگر کوئی تقیہ کی وجہ سے ملامت اور مذامت کرنے کے لائق ھے تو وہ تقیہ کرنے پر مجبور کرنے والے ھیں ، کہ کیوں کہ آخر اپنی کم علمی کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کی جان و مال کے درپے ہوگئے ھوں؟ اور تقیہ کرنے پر ان کو مجبور کرتے ھوں؟!!پس وہ لوگ خود قابل مذمت ھیں ، نہ یہ لوگ۔کیونکہ تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ھیں کہ معاویہ نے جب حکومت اسلامي کی باگ دوڑ مسلمانوں کی رضایت کے بغیر سنبھال لی تو اس کی خودخواھی اس قدر بڑھ گئی کہ جس طرح چاھے اور جو چاھے ، اسلامی

احکام کے ساتھ کھیلتا رہے ، اور کسی سے بھی خوف نہیں کھائے ، حتی کہ خدا سے بھی !! خصوصاً شیعیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا پیچھا کرتا تھا ، ان کو جہاں بھی ملتا ، قتل کیا کرتا تھا ، یہاں تک کہ اگر کسی پر یہ شبہہ پیدا ہوجائے کہ یہ شیعہ ہے تو اسے بھی نہیں چھوڑتا تھا ۔ بنی امیہ اور بنی مروان نے بھی اسی راہ کو انتخاب کیا اور ادامہ رکھا ۔ بنی عباس کی نوبت آئی تو انہوں نے بھی بنی امیہ کے مظالم اور جنایات کا نہ صرف تکرار کیا بلکہ ظلم و ستم کا ایک اور باب کھولا ، جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ۔

ایسے میں شیعہ تقیہ کرنے کے سوا کیا کچھ کر سکتے تھے؟یہی وجہ تھی کہ کبھی اپنا عقیدہ چھپاتے اور کبھی اپنے عقیدے کو ظاہر کرتے تھے ۔ جس طریقے سے حق اور حقیقت کا دفاع ہو سکتا تھا اور ضلالت اور گمراہی کو دور کر سکتے تھے ۔ ایسے موارد میں شیعہ اپنا عقیدہ نہیں چھپاتے تھے ، تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہوجائے ۔ اورحقانیت لوگوں پر مخفي نہ رہ جائے ۔ اسي لئے ہم دیکھتے ہیں کہ

هماري بهت ساري هستياں اپنے دور ميں تقيه کو کلي طور پر پس پشت ڈالتے هوئے اپني جانوں کو راه خدا ميں قربان کرتے، اور ظالموں کی قربان گاهوں اور پهانسي کے پهندوں تک جانے کو اپنے لئے باعث سعادت سمجهنے لگے ۔

تاريخ کبهي بهي مجعذراء (شام کي ايک ديهات کانام هے) کے شهداء کو فراموش نهيں کرے گي۔ يه لوگ چوده افراد تهے جو بزرگان شيعه تهے، جن کا سربراه وهي صحابي رسول تهے جن کا زهد و تقوي اور عبادت کي وجه سے جسم نحيف هو چکے تهے۔ اور وه کون تهے ؟ وه عظيم نامور حجر بن عديؓ کندي تهے، شام کو فتح کرنے والي فوج کے سپه سالاروں ميں سے تهے ۔ ليکن معاويه نے ان چوده افراد کو سخت اذيتيں دے کر شهيد کيا ۔ اور اس کے بعد کها: ميں نے جس جس کو بهي قتل کيا ، اس کي وجه جانتا هوں ؛سوائے حجر بن عديؓ کے، که اس کا جرم کيا تها ؟!

ابن زياد بن ابیہ جو بدکار عورت سمیہ کا بیٹا تھا ؛ شراب فروش ابي مریم کي گواھي کي بناپر معاویہ نے اسے اپنا بھائي کہہ کر اپنے باپ کي طرف منسوب کیا ؛ اسي زیاد نے حکم دیا کہ رشید ھجریؓ کو علي علیہ السلام کي محبت اور دوستي کے جرم میں ، ان کے ھاتھ پیر اور زبان کاٹ دی جائے ۔ اور درخت کی ٹھني کی سولي پر چڑھایا جائے۔

ابن زیاد جو اسي زنازادہ کا بیٹا تھا ، نے علي کے دوستدار میثم تمارؓ کو مارپیٹ کے بعد اسے دونوں ھاتھ اور دونوں پاؤں اور زبان کو کاٹ کر تین دن تک کھجور کے اس سوکھی ٹھني پر لٹکائے رکھا، جس کي جب سے مولا نے پیشن گوئي کي تھي اس وقت سے اس تنے کو پاني دیتا رھا تھا ، اور تین دن بعد اسے بے دردي سے شھید کیا گیا ۔ [1]

۱۔ شیعہ مي پرسد، ص ۲۹۰۔

اے اهل انصاف! اب خود بتائیں کہ ظلم و ستم کے ان تمام واقعات میں کون زیادہ قابل مذمت هے ؟! کیاوہ گروہ جسے تقیہ کرنے اور اپنا عقیدہ چھپانے پر مجبور کیا گیا هو یا وہ گروہ جو اپنے دوسرے مسلمانوں کو تقیہ کرنے اور عقیدہ چھپانے پر مجبور کرتے هوں؟!دوسرے لفظوں میں مظلوموں کا گروہ قابل مذمت هے یا ظالوں کا گروہ ؟!

هر عاقل اور باانصاف انسان کہے گا : یقیناً دوسرا گروہ هي قابل مذمت هے۔

آقاي کاشف الغطاء دوسروں کو تقیہ کرنے پر مجبور کرنے والوں سے سوال کرتے هیں اور جواب دیتے هیں : کیا رسول خدا ﷺ کے صحابي عمر بن حمق خزاعيؓ اور عبد الرحمن ابن حسانيؒ، زیاد کے هاتھوں« قس الناطف» میں زندہ درگور کئے جانے کو فراموش کرسکتے هیں؟!!

کیا میثم تمارؓ، رشید هجریؒ اور عبداللہ بن یقطرؓ جیسي هستیوں کو ابن زیادہ نے جس طرح بے دردي سے سولي پر چڑا کر شهید کیا ؛ قابل فراموش هے؟!

ان جیسے اور سینکڑوں علي علیہ السلام کے ماننے والے تاریخ میں ملیں گے جنهوں نے اپني پیاري جانوں کو اللہ کي راہ میں قربان کرنے سے دریغ نهیں کیا ـ کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ تقیہ کهاں استعمال کرنا هے اور کهاں ترک کرنا هے ـ یہ لوگ بعض مواقع میں تقیہ کو اپنے آپ پر حرام سمجھتے تھے ـ کیونکہ اگر یہ لوگ ان موارد میں تقیہ کرتے تو حق اور حقیقت بالکل ختم هوجاتی ـ

آقاي کاشف الغطاء فرماتے هیں: میں معاویہ سے یهي پوچھوں گا کہ حجر بن عديؓ کا کیا قصور تھا اور اس کا کیا جرم تھا ؟ سوائے علي علیہ السلام کي محبت اور مودت کے، جس سے اس کا دل لبریز تھا ـ اس نے تقیہ کو کنار رکھتے

ھوئے بني اميہ کا اسلام سے کوئي رابطہ نہ ھونے کو لوگوں پر آشکار کرديا تھا۔ ھاں اس کا اگر کوئي گناہ تھا تو وہ حق بات کا اظھار کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا ۔ اوریہي اس کا مقدس اور اھم ھدف تھا ، جس کي خاطر اپني جان کا نذرانہ دينے سے دریغ نہیں کیا ۔ [1]

ابن اثیر لکھتا ھے کہ حجربن عديؓ کے دو دوستوں کو پکڑ کرشام میں معاویہ کی طرف روانہ کیا گیا ؛ معاویہ نے ایک سے سوال کیا : علي عليه السلام کے بارے میں کیا کہتے ھو؟!

اس نے کہا: وھي ، جو تو کہتا ھے ۔

معاویہ نے کہا: میں ان سے اور ان کے دین سے کہ جس کي وہ

۱۔ این است آئین ما، ص ۳۶۸۔

پیروي کرتا ھے، اور اس خدا سے کہ جس کي وہ پرستش کرتا ھے، بیزار ھوں ۔

وہ شخص خاموش رھا۔ اس مجلس میں موجود بعض لوگوں نے ان کي سفارش کي، اور معاویہ نے بھي ان کي سفارش قبول کرلي ۔ اور اسے آزاد کردیا ۔ لیکن اسے شھر بدر کرکے موصل کی طرف بھیجا گیا ۔

معاویہ نے دوسرے سے سوال کیا: تم علي علیہ السلام کے بارے میں کیا کھتے ھو؟

اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، نہ پوچھو تو بہتر ھے ۔

معاویہ نے کہا: خداکي قسم تمھیں جواب دیئے بغیر نھیں چھوڑوں گا ۔

اس مرد مجاھد نے کہا: میں گواھي ديتا ھوں علي بن ابي طالب ؑ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ تعالي کو بہت ياد کرتے تھے اور حق بات کي طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے، عدل اور عدالت کے قيام کے لئے کوشان تھے، علي ؑ ان میں سے تھے جو لوگوں کي دادو فرياد سنتے تھے،۔۔۔ اس طرح وہ فضائل علي ؑ بيان کرتے گئے اور لوگ انہیں داد دیتے گئے ۔یہاں تک کہ معاويہ نے کہا: تو نے اپنے آپ کو ھلاکت میں ڈالا ہے۔

اس محب علي ؑ نے کہا:بلکہ میں نے تجھے بھي ھلاک کيا، يعني لوگوں کے سامنے تجھے بھي ذليل و خوارکيا۔

معاويہ نے حکم ديا کہ اس شخص کو زيادبن ابيہ کے پاس واپس بھیج دو، تاکہ وہ اسے بدترين حالت میں قتل کردے !

زيادبن ابيہ ملعون نے بھي اس محب علي ؑ کو زندہ درگور کيا ۔

اگر یہ لوگ تقیہ کرتے تو لوگوں تک علي ﷺ کے فضائل نہ پہنچتے، اور دین اسلام معاویہ، یزیداور ابن زیاد و الا دین بن کر رہ جاتا۔یعني ایسا دین؛ جو ھر قسم کے رزائل (جیسے مکرو فریب، خیانت ومنافقت، ظلم و بربریت،۔۔۔) کا منبع ھوتا۔اور یہ دین کہاں اور وہ دین جو تمام فضلیتوں کا منبع ھے، جسے رسول اسلام ﷺ نے لایا اسے علي ﷺ اور اولاد علي نے بچایا اور ان کے دوستوں نے قیامت تک کیلئے حفاظت کي؛ کہاں؟!!!

ھاں یہ لوگ راہ حق اور فضیلت میں شہید ھونے والے ھیں۔جن میں سے ایک گروہ شہدائے طف ھے، جس کا سپہ سالار حسین ھیں، جنھوں نے کبھي بھي ظلم وستم کو برداشت نہیں کیا، بلکہ ظالموں کے مقابلے میں بڑي شجاعت اور شہامت کے ساتھ جنگ کي، اور تقیہ کو اپنے اوپر حرام قرار دیا۔

اب ان کے مقابلے میں بعض علي ﷺ کے ماننے والے تقیہ کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ شرائط، اوضاع واحوال اور محیط فرق کرتا تھا۔ بعض جگھوں پرمباح، یا جائز سمجھتے تھے اور بعض جگھوں پر واجب یا حرام یا مکروہ۔

اب ہم مسلمانوں سے یہي کہیں گے کہ آپ لوگ دوسرے مسلمانوں کو تقیہ کرنے پر مجبور کرتے ھو اور پھر کہتے ھو کہ شیعہ تقیہ کیوں کرتے ھیں ؟آپ کوئي ایسا کام نہ کریں، کہ دوسرے مسلمان تقیہ کرنے پر مجبور ھوجائیں ۔

ان لوگوں کو کیا غم ؟!

چالیس ھجري سے لیکر اب تک شیعہ اور ان کے اماموں نے رنج و الم، اذیت اورآزارمیں زندگي بسرکی۔کسي نے زندگي کا بیشتر حصہ

قید خانوں میں گزارا ، کسي کو تیروں اور تلواروں سے شھید کیا گیا، تو کسي کو زھر دیکر شھید کیا گیا ۔ان مظالم کي وجہ سے تقیہ کرنے پر بھي مجبور ھوجاتے تھے۔

لیکن دوسرے لوگ معاویہ کي برکت سے سلسلہ بني امیہ کے طویل و عریض دسترخوان پر لطف اندوز ھوتے تھے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے جوائز اور انعامات سے بھي مالامال ھوتے تھے،اور بني عباس کے دور میں بھي یہ برکتوں والا دسترخوان ان کیلئے بچھا رھتا تھا ۔یھي وجہ تھي کہ ان نام نھاد اور ظالم وجابر لوگوں کو بھي اولي الامر اور واجب الاطاعۃ سمجھتے تھے ۔اس طرح یزید پلید، ولید ملعون اور حجاج خونخوار کو بھي خلفائے راشدین میں شامل کرتے تھے ۔

خدایا !ان کی عقل کو کیا ہوگیا ہے ؟ یہ لوگ دوست کو بھی رضی اللہ اور

دشمن کو بھی رضی اللہ۔ علی علیہ السلام کو بھی خلیفہ اور معاویہ کو بھی خلیفہ مانتے ہیں، جب کہ ان دونوں میں سے صرف ایک برحق ہوسکتا ہے ۔ اگر کہیں کہ ان کے درمیان سیاسی اختلاف تھا ؛ تو سب سے زیادہ جو طولانی جنگ مسلمانوں کے درمیان ہوئی ، وہ جنگ صفین ہے ، جس میں سینکڑون مسلمان مارے گئے۔ اور جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہورہا ہو؛ اسے معمولی یا سیاسی اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح یزید کو بھی رضی اللہ عنہ اور حسین کو بھی رضی اللہ عنہ ، عمر بن عبدالعزیز کو بھی رضی اللہ عنہ اور متوکل عباسی اور معتصم کو بھی رضی اللہ عنہ؟ یعنی دونوں طرف کو واجب الاطاعۃ سمجھتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف اور قانون ہے ؟ اور کون سا عاقلانہ کام ہے ؟

سؤال یہ ھے کہ کیا یہ لوگ بھي کوئي رنج و الم دیکھیں گے ؟!

لیکن اس بارے میں امامیہ کا کیا عقیدہ ھے؟ ذرا سن لیں: شیعہ اسے اپنا امام اور خلیفہ رسول مانتے ھیں جو اللہ اور رسول ﷺ کي جانب سے معین ھوا ھو، نہ لوگوں کے ووٹ سے۔ اس سلسلے میں بہت لمبي بحث ھے، جس کیلئے ایک نئي کتاب کي ضرورت ھے۔

خلاصہ کلام یہ ھے کہ شیعہ ھر کس وناکس کو خلیفہ رسول نہیں مانتے؛ بلکہ ایسے شخص کو خلیفہ رسول مانتے ھیں، جو خود رسول ﷺ کي طرح معصوم ھو اور خود رسول پاک نے منتخب کیا ھو۔

ھم کہتے ھیں کہ ٹھیک ھے ھم تقیہ کے قائل ھیں، لیکن ھم پر اعتراض کرنے والے ھمیشہ حاکم وقت کي چاپلوسي کرنے میں مصروف رہے ھیں۔ اور آپ کوئي ایک مورد دکھائیں، کہ جس میں اپنا کوئي دینی رہنما نے ظالم و جابر حاکم کو نہي از منکر کرتے ھوئے اسے ناراض کیا ھو؟!

اس کے باوجود کہ آپ کے بہت سے علماء جو درباري تھے، جب بني امیہ کا حاکم ولید، بقول آپ کے، امیر المؤمنین مستي اور نشے کي حالت

ميں مسجد ميں نماز جماعت كراتا ھے اور محراب عبادت كو شراب كي بدبو سے آلوده كرتا ھے اور صبح كي نماز چار ركعت پڑھاتا ھے، جب لوگ كانا فوسي كرنے لگتے ھيں تو وه پيچھے مڑ كر كہتا ھے: اگر ركعتيں كم ھوئيں تو اور چار ركعت پڑھا دوں؟! كوئي بھي حالت تقيه سے نكل كر اسے روكنے يا نہي از منكر كرنے والا نہيں ھوتا!!

اگر علي عليه السلام كے ھزاروں شيعوں كا خونخوار قاتل حجاج بن يوسف جو آپ كي نگاھوں ميں اولوالامر ھے، كے ساتھ گفتگو سننا چاھتے ھو تو معلوم ھوجائے گا كہ كن كن ھستيوں نے اس ظالم و جابر كے ساتھ آنكھيں ميں آنكھيں ڈال كر باتيں كي ہيں ؟!

بڑے بڑے دانشمندوں جيسے شهيد اول محمد بن مكي عامليؒ، كو پہلے تلوار سے شہيد كيا گيا، پھر لاش كو سولي پر لٹكا ركھا، پھر اسے دمشق كے قلعے ميں لے جا كر جلايا گيا!!

اسي طرح شهيد ثاني زين الدين بن علي عاملي□ كو شهيد كيا گيا۔

قاضي نور الله شوستري□ جو شهيد ثالث كے نام سے معروف هے، اسے هندوستان ميں شهيد كيا گيا۔

سيد نصر الله حائري□ جو نادر باد شاه كا سفير تها، جو صرف اور صرف شيعه هونے كي وجه سے شهيد كيا گيا ـ [١]

عراق ميں صدام نے دس لاکھ سے زیادہ شیعوں کا قتل عام کیا اور بہت سے لوگوں کا پورا گھرانہ تباہ کیا اور آج بھی خودکش حملے کرکے بے گناہ لوگوں کو بے دردی سے شہید کر رہے ہیں۔

بحرین میں دیکھیں آل خلیفہ سعودی فوج کی مدد سے شیعوں کو خاک و خون میں نہلا رہے ہیں۔

---

١ ـ محب الاسلام؛ شيعه مي پرسد، ج٢، ص ٢٩٣ـ

یمن میں دیکھیں اب تک کتنے بے گناہ لوگ سعودی ظلم و بربریت کے نشانہ بنے ہیں؟

سوریہ میں دیکھیں ،جہاں وہابیت نے داعش کے نام سے شیعوں پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ہوا ہے؟!!

افغانستان میں دیکھیں ،طالبان نے شیعیان حیدر کرار کا قتل عام کرکے ان کے املاک پر قبضہ کیا اور ان کے کئی ہزار جوان لڑکیاں بطور کنیز اپنے آقاؤں کو پیش کی گئیں۔

پاکستان کے مختلف شہروں میں خصوصاً کراچی میں ۸۰۰ سے زائد ڈاکٹر، انجنئیر،تاجر اور علمائے کرام چیدہ چیدہ افراد کو شہید کیا گیا ۔کئی مسجدیں شہید کی گئیں ۔کوئٹہ میں ہزارہ برادری کے سینکڑوں علیؑ کے ماننے والوں کو بسوں سے اتار اتار کر شہید کیا گیا۔ اسی طرح جامع مسجد کوئٹہ میں بموں کے ذریعے سینکڑوں نمازیوں کو خانہ خدا میں خاک و خون میں نہلایا گیا۔

کراچی سے کوئٹہ اور کوئٹہ سے تافتان کے راستے میں زائر مؤمنین کے بسوں کو

راکٹ لانچرز کا نشانہ بنا کر شہید کیا گیا۔

سیالکوٹ میں جمعہ کی نماز کے دوران ایک خودکش حملہ آور نے ۷۰ نمازیوں کو خاک وخون میں نہلایا۔

مختلف شہروں میں مظلوم کربلا اباعبداللہ الحسینؑ کے عاشور کے جلوسوں میں خودکش حملہ آوروں کے ذریعے بے گناہ عزاداروں کو شہید کیا گیا۔

پشاور اور پاڑاچنار جیسے شہروں میں جہاں ان قاتلوں کو جب افغانستان سے نکالا گیا تھا اور بے سروسامانی کے عالم میں پاڑاچنار پہنچے تھے تو وہاں کے شیعوں نے انہیں مسلمان ہونے کے ناطے قیام و طعام کا بندوبست کرکے زمین اور گھر دئے لیکن ان احسانات کا صلہ انہوں نے شیعوں کے مراکز پر حملہ کرکے شیعہ نسل کشی کی صورت میں دیا۔

گلگت بلتستان جو امن کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، اس خطے کے امن و امان کو تباہ کرنے کے لئے وہاں کے پنڈی سے جانے والے خالی ہاتھ مسافروں کو کوہستان، چلاس اور استور کے علاقوں میں جہاں یہ یزیدی لوگ زندگی بسر کرتے ہیں ،بسوں سے اتار

اتار کر شناختی کارڈ چیک کرتے ہوئے لائن میں کھڑا کر کے بزدلانہ طور پر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ۔

ان تمام مظالم ، جرائم اور قتل وغارت گري کے باوجود یہ لوگ پوچھتے ھیں کہ شیعہ تقیہ کیوں کرتے ھیں ؟!جب کہ اس سے پہلے اپنے آپ سے پوچھنا چاھئے کہ شیعوں کو تقیہ کرنے پر مجبور کیوں کرتے ھیں؟!!

آخر میں اللہ تعالي کي بارگاہ میں دست بہ دعا ھوں کہ اللہ ھم سب کو راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور جو بھي ھدایت کے طلب گار ھیں انہیں ھدایت کے راستے پر گامزن فرمائے۔ آمین ۔

والسّلام علی من اتبع الهدی

(تمت بالخیر)

کتاب نامه

القرآن الکریم

۱. ابن ابي الحديد؛ شرح نہج البلاغہ، تحقیق، محمد أبو الفضل ابراهيم، دار إحياء الکتب العربية ۱۳۷۸۔

۲. ابن ابی العز، علی بن علی، قاضی دمشق ؛ شرح العقیدہ الطحاویہ، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۹۔

۳. ابن الجوزي، م۵۹۷؛ زاد المسیر، تحقیق: محمد بن عبد الرحمن عبد اللہ، دار الفکر، چ ۱۴۰۷

۴. ابن تیمیہ؛ منہاج السنہ النبویہ في نقض الشیعہ و القدریہ، مکتبہ الخیاط، بیروت۔

۵. ابن حزم علی ابن محمد؛ المُحَلّٰی بِالآثَارِ، دار الفکر، ۱۴۲۱۔

۶. ابن شہر آشوب، مناقب آل ابیطالب، قم، کتابفروشی مصطفوی، ج ۴، ص ۴۳۷۔

۷. ابن عربی، تحقیق: محمد عبد القادر عطا؛ احکام القرآن؛ ناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر۔

۸. ابن عطیہ عبد الحق؛ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۸۔

۹. ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو؛ تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمد حسین شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹۔

۱۰. ابن ماجہ، محمد بن یزید؛ سنن ابن ماجہ، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ

۱۱. ابن منظور، جمال الدین؛ لسان العرب، نشر ادب الحفدہ، ۱۴۰۵۔

۱۲. ابن نجیم زین الدین؛ الاشباہ و النظایر فی قواعد و فروع الفقہ الشافعي؛ دار الفکر المعاصر، ۱۴۲۰۔

۱۳. ابن ہشام؛ السنۃ النبویہ

۱۴. ابوعبداللہ محمد بن احمد ابن ادریس شافعی، احکام القرآن، دار القلم، بے تا۔

۱۵. احسان الہي، ظہیر؛ السنہ و الشیعہ۔ پاکستان۔

۱۶. أحمد بن عبد اللہ الأصبهاني؛ حیلۃ الاولیاء وطبقات الأصفیاء دار الکتاب العربي، بیروت، ۱۴۰۵۔

۱۷. امینی، عبد الحسین؛ الغدیر، ج۲، تہران، ۱۳۳۶۔

۱۸. انصاری، شیخ اعظم و امام خمینی؛ التقیه في رحاب العلمین، الامانة العامه للمؤتمر، ۱۳۷۳۔
۱۹. آلوسی سید محمود، ابوالفضل؛ روح المعانی دارالکتب العلمیه - بیروت، چاپ اول، ۱۴۱۵ ق۔
۲۰. بیضاوی عبدالله بن عمر؛ انوار التنزیل و اسرار التأویل، دار الصادر، ۱۳۸۰۔
۲۱. پیشوائي، مهدي؛ سیره پیشوایان، مؤسسه امام صادق، قم، ۱۳۷۶۔
۲۲. تفسیر الحسن البصری،
۲۳. ثامر هاشم العمیدی؛ تقیه از دیدگاه مذاهب و فرقه های اسلامی غیر شیعی، مترجم سید محمد صادق عارف، آستان رضوی، مشهد، ۱۳۷۷۔
۲۴. ثقة الاسلام کلینی، الکافي، ۸ جلد، دار الکتب الإسلامیة تهران، ۱۳۶۵ هجری شمسی
۲۵. جعفر سبحاني؛ مع الشیعه الامامیه في عقائدهم، حوزه علمیه قم۔
۲۶. حجتي، محمد باقر؛ تاریخ قرآن کریم، نشر فرهنگ اسلامي، ۱۳۶۰۔
۲۷. حر عاملي، محمد بن الحسن؛ وسائل الشیعه، اسلامیه، تهران، ۱۳۸۷ه
۲۸. داوود؛ ترجمه الطرائف، ج ۲، نوید اسلام، قم، ۱۳۷۴ ش۔
۲۹. سالوس، علي؛ بین الشیعه و السنه، دار الاعتصام، قاهره۔ موسسه الهادي؛
۳۰. بیهقی احمد بن الحسین؛ السنن الکبری، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹۔
۳۱. سید علی بن موسی بن طاوس؛ الطرائف، چاپخانه خیام قم، ۱۴۰۰ هجری قمری
۳۲. السید محمد صادق الروحاني؛ فقه الصادق علیه‌السلام، ناشر مؤسسة دار الکتاب قم، ۱۴۱۲۔
۳۳. شیخ انصاري، مرتضي؛ رسائل و مکاسب، جامع المدرسین، ۱۳۷۵۔
۳۴. شیخ صدوق، من لا یحضره الفقیه، ۴ جلد، انتشارات جامعه مدرسین قم، ۱۴۱۳ هجری قمری
۳۵. شیخ مفید؛ تصحیح اعتقادات الإمامیة تحقیق: حسین درگاهي چ ۲، دار المفید، بیروت، ۱۴۱۴۔
۳۶. محمد علي، صالح المعلم؛ التقیه في فقه اهل البیت، ج ۱، ص ۶۶۔
۳۷. طبری ابو جعفر محمد بن جریر؛ جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار المعرفه: بیروت: ۱۴۱۲ ق۔
۳۸. عبد الله بن قدامه؛ المغني، م ۶۲۰، چ، جدید، ناشر دار الکتاب العربي، بیروت، لبنان۔

۳۹. عروسی، حویزی عبد علی بن جمعه ؛ تفسیر نور الثقلین، انتشارات اسماعیلیان، قم، ۱۴۱۵ ق۔
۴۰. علامه مجلسی، بحار الأنوار، ۱۱۰ جلد، مؤسسة الوفاء بیروت - لبنان، ۱۴۰۴ هجری قمری
۴۱. علوي، عادل؛ التقیه بین الاعلام، مؤسسه اسلامیه ، قم، ۱۴۱۵ ۔
۴۲. علي تهراني؛ تقیه در اسلام ، انتشارات طباطبائي، ۱۳۵۲ ۔
۴۳. غزالی، محمدبن محمد؛ احیاء علوم الدین، مترجم: خوارزمی، موید الدین، انتشارات علمی و فرهنگی: تهران۔
۴۴. غفاري ،ناصر؛ اصول مذهب الشیعه الامامیه، مجمع جهانی اہل البیتؑ، قم ۱۴۱۳ ۔
۴۵. فخر رازي ؛ المحصول ، تحقیق : دکتر طه جابر فیاض ,الثانیة, مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۲،
۴۶. فخر رازی محمدبن عمر؛ تفسیرکبیر دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۲ ۔
۴۷. فخر رازی محمدبن عمر؛ مناقب الشافعي ،مکتبة الازهریه للتراث ،۲۰۰۸۔
۴۸. کاشف الغطاء، محمد حسین؛ این است آئین ما ، انتشارات سعدي، تبریز، ۱۳۴۷ ۔
۴۹. کمال جوادي؛ فهرست ایرادات و شبهات علیه شیعیان در هند و پاکستان،
۵۰. مالک بن انس ؛ المدونة الکبری، مطبعة السعادة، دار احیاء التراث، بیروت ، لبنان۔
۵۱. مامقانی، عبدالله؛ تنقیح المقال في علم الرجال، موسسه آل البیت، قم۔
۵۲. متقی هندی علی ابن حسام الدین ، کنزالعمال، موسسه الرساله، ۱۴۰۵ ۔
۵۳. مجله نور علم، ش ۵۰ ۵۱، ص ۲۴ ۲۵ ۔
۵۴. محب السلام؛ شیعه مي پرسد ،بي نا ، تهران، ۱۳۹۸ ۔
۵۵. محسن امین، عاملي؛ نقض الوشیعه ، الشیعه بین الحقائق و الاوهام، موسسه الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۳ ۔
۵۶. محمدبن اسماعیل، بخاري؛ صحیح بخاری، دار الطباعة العامره استانبول، دار الفکر ، ۱۴۰۱ھ
۵۷. محمدبن مکی عاملی(۷۸۶ھ ق) ؛ القواعد و الفوائد، : ناشر: کتابفروشی مفید چاپ ۱ : قم - ایران۔
۵۸. حاکم نیشاپوری، محمدبن عبدالله؛ المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیه ،بیروت، ۱۴۱۱ھ
۵۹. مسعودی، اثبات الوصیه، نجف، المکتبة الحیدریة، بی تا۔
۶۰. طبرانی، سلیمان بن احمد؛ المعجم الکبیر ،دار الحدیثیه ،۱۹۸۴۔

٦١. معلمي، محمد علي؛ التقيه في فقه اهل البيت ، تقريرات آية الله مسلم الداوري، قم، ١۴١٩ـ
٦٢. مكارم شيرازي،ناصر؛ تقيه سپري براي مبارزه عميقتر، مطبوعاتي صدف، قم،بي تاـ
٦٣. مكارم شيرازي، ناصر؛ شيعه پاسخ مي گويد،انتشارات امام على بن ابيطالب ، قم،١٣٨٧ـ
٦۴. موسوى، فخاربن معد، ايمان أبي طالب (الحجة على الذاهب إلى كفر أبي طالب) ، دار سيد الشهداء للنشر، قم، چاپ: اول، ١۴١٠ق.
٦۵. موسوي، علي عباس؛ پاسخ و شبهاتي پيرامون مكتب تشيع ، سازمان تبليغات، قم، ١٣٧١ـ
٦٦. موسوي، موسي؛ الشيعه و التصحيح ، طبع لوس انجلوس ، ١٩٨٧ـ
٦٧. نعمت الله صفري؛ نقش تقيه در استنباط، بوستان كتاب قم، ١٣٨١ـ
٦٨. نوبختي، حسن بن محمد؛ فرق الشيعه ، مكتبة الرضويه،١٩٣٦ـ
٦٩. نيشاپوري؛ تفسير نيشاپوري، حاشيه تفسير طبري ـ
٧٠. يزدي، محمود؛ انديشه هاي كلامي شيخ طوسي،دانشگاه رضويه،١٣٧٨ـ
٧١. يعقوبي، ابن الواضح؛تاريخ يعقوبي ، مكتبه المرتضويه، عراق، النجف ـ
٧٢. راغب اصفهاني ؛ مفردات، بدع ـ

خلاصہ کتاب بہ زبان فارسی

تقیہ ایک قرآنی، عقلی، اور فطری حکم ہے، جسے ہر عاقل انسان تسلیم کرتا ہے، لیکن ایک متعصب گروہ[وہابیت] شیعیان حیدر کرار کی دشمنی میں اس حکم[تقیہ] کا اصلی چہرہ بگاڑ کے منافقت، جھوٹ، بزدلی، وغیرہ سے تشبیہ دے کر مکتب حقہ کے پیروکاروں پر مختلف قسم کی تہمتیں لگانے لگے اور دوسرے مکاتب فکر والوں کو مکتب اہل بیت سے دور کرنے کی سازش کرنے لگے۔ اسی کے پیش نظر ان کے عزائم کو برملا کرنے کے لئے کتاب حاضر تالیف کی گئی ہے، تاکہ ان غلط فہمیوں کو دور کرسکے۔ لذا تقیہ کی تعریف، شرائط، اقسام، آثار اور اس کی مشروعیت کو چاروں ادلہ کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کی تاریخی حیثیت والی بحث میں انبیاء اور اولیائے الٰہی نے جہاں جہاں تقیہ کئے ہیں، آیات، روایات سمیت ذکر کیا ہے۔ میری نظر میں یہی دشمن تشیع کے لئے منہ توڑ جواب ثابت ہوگا۔ اس کتاب کی آخری حصہ میں وہابیت خصوصاً ابن تیمیہ کی طرف سے کئے گئے اشکالات کو بیان کرکے ان کے مدلل جوابات بھی دئے گئے ہیں۔

انشاء اللہ یہ ادنی سی کاوش بارگاہ حق اور اہل بیت اطہار کے حضور میں قابل قبول ہو۔ اور بندہ حقیر اور قارئین محترم جو حقائق کے تلاش میں رہتے ہیں، کے لئے باعث اجر و ثواب ہو۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

غلام مرتضی انصاری

۲۶/ربیع الثانی ۱۴۳۹ ھجری

خلاصه کتاب بزبان فارسی

تقیه، حکمی است اسلامی، قرآنی و عقلائی ، حتی فطری۔و هیچ فردیا گروهی از ایمان و اعتقادبه آن،دریغ ندارند۔و در عین حال افراد گمراه تلاش کرده اند که این حکم قرآنی را بگونه ای دیگر[وارونه] مطرح کنند وچهره اسلامی تقیه را دگرگون سازند۔و این .بیمار دلان[وهابیت] خواسته ان مشروعیت تقیه را متهم سازند به نفاق،کذب، خلاف شجاعت و۔۔۔درحالیکه می دانید یک حکم تاسیسی اسلام نیست بلکه حکم امضائی اسلام است که قبل از اسلام هم بوده ۔ادله این مطلب را از حضرت آدم تا پیامبر اسلام فرداً فرداً.بیان کرده است۔ وبخاطر روشن شدن مطلب انواع و اقسام تقیه را مفصل.بیان کرده است ۔ همین طور تاریخچه، شرائط، آثار، ۔۔۔ را بطور واضح و روشن آورده شده۔ در آخر اشکالات و اعتراضات دشمن[وهابیت خصوصاً ابن تیمیه] را باذکر جواب دندان شکن.بیان کرده است۔

انشاء الله این اثر برای قارئین محترم و بنده حقیر مفید خواهدبود۔

لازم به ذکر است که با این تفصیلی درزبان اردو براین موضوع کار نشده ۔لذا امید وارم که برای اردو زبان خیلی مفید باشد۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

غلام مرتضی انصاری

۲۴/۱۰۔۹۶۔

فہرست

مقدمہ ۵
پہلی فصل: کلیاتِ تقیہ........ ۹
تقیہ کی تعریف........ ۹
شیخ انصاري اور تقیہ کی تعریف........ ۱۰
شہید اول اور تقیہ کی تعریف ۱۱
تقیہ کی جامع اور مانع تعریف ۱۲
تقیہ یعنی مصلحت اندیشی........ ۱۳
تقیہ کے مزید نام:........ ۱۴
تقیہ کے اقسام ۱۵
۱۔تقیہ خوفیہ ۱۵
۱ تقیہ خوفیہ کی پہلی دلیل:........ ۱۷
۲ تقیہ خوفیہ کی دوسری دلیل: ۱۸
۲۔تقیہ اکراھیہ........ ۲۰
۳۔تقیہ کتمانیہ........ ۲۴
تقیہ کتمانیہ پر دلیل : ۲۵
۴۔تقیہ مداراتي یا تحبیبي........ ۲۷
تقیہ مداراتي کے شرعی جواز پر دلیلیں: ۲۸
تقیہ اور توریہ میں موازنہ ۳۳

تقیہ، اکراہ اور اضطرار کے درمیان تقابل ٣٤

تقیہ کے آثار اور فوائد ٣٦

شہیدوں کے خون کی حفاظت ٣٦

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور تقویت ٣٧

تقیہ کے شرائط ٤٠

دوسری فصل: تقیہ تاریخ کے آئینے میں ٤٣

الف: ظہور اسلام سے پہلے تقیہ ٤٣

حضرت آدم علیہ السلام اور تقیہ ٤٥

حضرت ابراھیمؑ اور تقیہ ٤٧

حضرت یوسف علیہ السلام اور تقیہ ٥١

حضرت موسی علیہ السلام اور تقیہ ٥٤

مؤمن آل فرعون اور تقیہ ٥٧

آسیہ بنت مزاحم اور تقیہ ٦٠

اصحاب کہف اور تقیہ ٦١

ب: ظہور اسلام کے بعد تقیہ ٦٤

ابو طالبؑ اور تقیہ ٦٦

پیغمبر اکرم (ص) اور تقیہ ٧٧

علي علیہ السلام اور تقیہ ٧٨

امام حسن، امام حسین، امام سجاد□ اور تقیہ ٧٩

امام باقر علیہ السلام اور تقیہ ٨١

امام صادق علیه‌السلام اور تقیه ۸۳
پہلا حصه: ۸۳
دوسرا حصه: ۸۳
تیسرا حصه: ۸۳
امام موسي کاظم ؑ اور تقیه ۸۹
امام رضا علیه‌السلام اور تقیه ۹۲
امام هادي علیه‌السلام اور تقیه ۹۵
امام جواد علیه‌السلام اور تقیه ۹۷
امام حسن العسکري علیه‌السلام اور تقیه ۹۸
حضرت حجت(عج) اور تقیه ۱۰۳
۱۔ ابو عمرو عثمان ابن سعید عمري ۱۰۳
۲۔ ابو جعفر محمد بن عثمان ۱۰۴
۳۔ ابو القاسم حسین بن روح ۱۰۵
۴ علي ابن محمد السمري ۱۰۶
تیسری فصل: مذاهب اہل سنت اور تقیه ۱۰۹
تقیه اور احادیث اهل سنت ۱۱۵
تقیه اور صحابه کا نظریه ۱۱۸
عمر بن خطاب (ت ۲۳ھ) اور تقیه ۱۱۸
عبد الله ابن مسعود (ت ۳۲ھ) اور تقیه ۱۲۰
ابو الدرداء (ت ۳۲ھ) اور تقیه ۱۲۲

ابو موسی اشعری(ت۴۴ھ)اور تقیہ ۱۲۲
ثوبان (ت۵۴ھ) غلام پیغمبر اور تقیہ........ ۱۲۳
ابو ہریرہ (ت۵۹ھ) اور تقیہ ۱۲۳
فقہ مالکی اورتقیہ........ ۱۲۴
فقہ حنفی اورتقیہ........ ۱۲۵
پہلا مورد:........ ۱۲۶
دوسرا مودر:........ ۱۲۷
تیسرا مورد:........ ۱۲۸
چوتھا مورد :........ ۱۲۸
فقہ شافعی اورتقیہ........ ۱۲۹
فقہ حنبلی اورتقیہ........ ۱۳۰
امام شافعی اور تقیہ........ ۱۳۲
امام مالک او رتقیہ........ ۱۳۴
ابو بکرا ورتقیہ........ ۱۳۵
امام احمدبن حنبل اور تقیہ........ ۱۳۶
حسن بصری (ت۱۱۰ھ)اورتقیہ ۱۳۹
بخاری (ت۲۵۶ھ) اور تقیہ ۱۳۹
وہابی مذہب کے علمائے رجال اور تقیہ........ ۱۴۱
چوتھی فصل : جوازتقیہ کےدلائل........ ۱۴۳
مقدمہ ۱۴۳

الف: قرآن ۱۴۵
کیا تقیہ سے انکار ان آیتوں کا انکار نہیں؟! ۱۵۳
ب: سنت ۱۵۶
۱۔تقیہ، پیغمبر علیہ السلام کی تدبیر ۱۵۷
۲۔تقیہ، اعلیٰ اهداف کے حصول کا ذریعہ ۱۵۷
۳۔جنگ موتہ میں تقیہ کا کردار ۱۵۹
۴۔فتح مکہ میں تقیہ کا کردار ۱۵۹
۵۔تقیہ دشمنوں کے مقابلے میں دفاعی وسیلہ ۱۶۰
۶۔تقیہ مؤمن کی ڈھال ہے ۱۶۱
۷۔تقیہ پیغمبروں کی سنت ۱۶۳
۸۔تقیہ، مجاهدوں کا مقام ۱۶۴
۹۔تقیہ، مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ۱۶۵
ج۔ عقل ۱۶۶
۱۔دفع ضرر ۱۶۷
۲ مہم پر اہم کا مقدم کرنا ۱۶۸
د: فطرت ۱۷۰
ہ: اجماع ۱۷۳
پانچویں فصل: ۱۷۶
وجوب و تحریم تقیہ کے موارد اوران کا فلسفہ ۱۷۶
وہ موارد جہاں تقیہ کرنا واجب ہے ۱۷۶

۱۔ طاقت کی محافظت کرنا ۱۷۷

۲۔ پروگرام کو چھپانا ۱۷۹

۳ دوسروں کی حفاظت کرنا.. ۱۸۱

وہ روایات جو وجوب تقیہ پردلالت کرتی ہیں.. ۱۸۳

کیابطورتقیہ انجام دئے گئے اعمال کی قضا ہے؟.. ۱۸۶

کیا خلاف تقیہ کا عمل باطل ہے ؟ ۱۹۰

وہ موارد جہاں تقیہ کرنا حرام ہے.. ۱۹۲

پہلا گروہ :.. ۱۹۲

دوسرا گروہ:.. ۱۹۲

۱۔ تقیہ کامفہوم.. ۱۹۳

۲۔ تقیہ کاحکم ۱۹۳

۱۔ جہاں حق خطرے میں پڑجائے ۱۹۵

۲۔جہاں خون خرابہ کا باعث ہو ۱۹۵

۳۔ جہاں واضح دلیل موجود ہو ۱۹۷

۴۔ جہاں احکام شریعت بہت زیادہ اہم ہو.. ۱۹۸

چھٹی فصل:.. ۲۰۰

تقیہ کے بارے میں شبہات اور ان کا مدلّل جواب.. ۲۰۰

ابن تیمیہ کے اشکالات کی تفصیل.. ۲۰۳

الف:تشریع تقیہ سے مربوط شبہات اور ان کا جواب.. ۲۰۳

۱۔تقیہ یعنی جھوٹ :.. ۲۰۴

شیخ طوسی□کا جواب ۲۰۸

۲۔تقیہ یعني منافقت! ۲۰۹

۳۔تقیہ، جہاد کے متنافی ۲۱۴

۴۔تقیہ اور آیات تبلیغ کے درمیان تعارض ۲۱۵

۵۔تقیہ اور ذلّت مؤمن ۲۱۹

۶۔تقیہ ،مانع امر بہ معروف ۲۲۰

ب:امام معصوم علیہم السلام کاتقیہ سے مربوط شبہات ۲۲۱

۱۔تقیہ اور امام علیہ السلام کا بیان شریعت ۲۲۳

الف:امام علیہ السلام کاتقیہ اور اقوال ۲۲۵

ب:امام علیہ السلام کیلئے تقیہ جائز ہونے کے شرائط ۲۲۵

۲۔ تقیہ، فرمان امام علیہ السلام پر عدم اعتماد کاباعث ۲۲۷

۳۔تقیہ اور علم امام ۲۲۸

پہلا نظریہ: ۲۲۸

دوسرا نظریہ: ۲۲۸

پہلا اشکال: ۲۲۹

جواب : ۲۳۱

اس شبہہ کا جواب ۲۳۳

علم امامؑ کے بارے میں مزید وضاحت ۲۳۴

۴۔تقیہ اور عصمت امامؑ ۲۳۸

۵۔ بجائے تقیہ؛ خاموشی کیوں اختیار نہیں کرتے؟ ۲۳۹

جواب : ۲۳۰
۶۔تقیہ کے بجائے توریہ کیوں نہیں کرتے ؟!.. ۲۳۱
شبہہ:.. ۲۳۱
اس شبہہ کا جواب:.. ۲۳۱
۷۔تقیہ اوردین کا دفاع.. ۲۳۲
شبہہ:.. ۲۳۲
جواب:.. ۲۳۳
۸۔تقیہ « سلوني قبل ان تفقدوني» کے منافی.. ۲۳۳
جواب : ۲۳۵
۹۔تقیہ ، شجاعت کے منافی.. ۲۳۶
جواب:.. ۲۳۷
۱۰۔تقیہ اور تحلیل حرام و تحریم حلال.. ۲۳۹
۱۱۔تقیہ ایک اختصاصي حکم ہے یا عمومي؟ ۲۵۱
جواب:.. ۲۵۲
۱۲۔کیوں بعض آئمہ طاہرینؑ نے تقیہ کیا اور بعض نے نہیں کیا ؟!.. ۲۵۶
ایک گروہ : ۲۵۷
دوسرا گروہ :.. ۲۵۷
جواب : ۲۵۸
ج:شیعوں کے تقیہ سے مربوط شبہات.. ۲۶۲
۱۔تقیہ شیعوں کی بدعت ۲۶۳

۲۔تقیہ، مکتب تشیع کا اصول دین ؟! ۲۶۵
۳۔تقیہ، زوال دین کا موجب ؟! ۲۶۹
جواب: ۲۶۹
۴۔امام کی پیروي اور تقیہ کے درمیان تناقض ۲۷۱
اس شبہہ کا جواب : ۲۷۲
۵۔تقیہ اورفتواي امام علیہ السلام کي تشخیص ۲۷۴
جواب: ۲۷۴
۶۔ تقیہ اورشیعوں کا اضطراب! ۲۷۵
جواب: ۲۷۶
۷۔تقیہ کافروں سے کیا جاتا هے نہ کہ مسلمانوں سے ۲۹۳
پهلاجواب: ۲۹۴
دوسرا جواب: ۲۹۵
خاتمہ:جمع بندی اور نتیجہ گیری ۳۰۳
تقیہ کا واجب هونا : ۳۰۵
تقیہ کا مباح هونا: ۳۰۵
تقیہ کا حرام هونا: ۳۰۶
ان لوگوں کو کیا غم ؟! ۳۱۶
کتاب نامہ ۳۲۵
خلاصہ کتاب بہ زبان فارسی ۳۲۹
خلاصہ کتاب بزبان فارسی ۳۳۰